شہری

شہری برائے بہتر ماحول

جولائی تا دسمبر ۲۰۱۴ء

شہری

اس میں کوئی شک نہیں کہ شہریوں کا
ایک چھوٹا سا گروہ جو شعور رکھتا ہو وہ
یقیناً دنیا کو بدل سکتا ہے......
مارگریٹ میڈ

روٹی، کپڑا اور دکان: بلڈرز کو کچی آبادی کی زمین دینے کے لیے سرکاری اسکیم

حوصلہ شکن نئے قانون نے پرائیویٹ ایسوسی ایشن آف ڈیولپرز کو مالک بنا دیا ہے

تحریر: ماہیم مہر

اندرونی صفحات

سندھ ہائی ڈینسٹی ڈیویلپمنٹ بورڈ بل ۲۰۱۰ء صفحہ ۹

کمرشلائزیشن کی خلاف ورزی صفحہ ۱۱

'چارجڈ پارکنگ' پاکستان کے تحفظ کا ایک مسئلہ صفحہ ۱۶

نثار بلوچ۔ موت سے چند گھنٹے پہلے صفحہ ۱۷

پاکستان میں خوبصورت اور توانائی سے بھرپور شہری تعمیرات پر سیمینار صفحہ ۱۹

وی آئی پی۔ ولچر کلچر صفحہ ۲۰

ہمارے اتحادی پارٹنر کا شفاف اور اطلاع تک رسائی کے لیے نیٹ ورک صفحہ ۲۲

کراچی کے کچی آبادی کے غریب لوگ طوائفوں سے زیادہ بدبخت ہیں۔ غلام عباس کی ۱۹۴۰ء کی مختصر کہانی 'آنندی'۔

کہانی میں، شہر طوائفوں کو باہر پھینکنے کا فیصلہ کرتا ہے، اور ان کے سرخ بتیوں والے علاقے/گھروں پر قبضہ کرتا ہے۔ کیونکہ ہر کوئی یہی سمجھتا تھا کہ ان کا وجود معاشرے کو بد اخلاق/بدچلن بنا دیتا ہے۔

عورتوں کو دوبارہ شہر کے باہر ایک ویران جگہ میں بٹھا دیا گیا ہے۔ مگر جب وہ عورتیں وہاں نئی زندگیاں بناتی ہیں تو پورا شہر ان کا گھیراؤ کرتا ہے۔

بیس سال سے 'آنندی' فیصلہ (بقیہ صفحہ ۳ پر)

E-mail : Info@shehri.org
Web site : www.shehri.org
Tel : 021-34530646, 34382298, Fax : 021-34530646
facebook.com/shehri.citizens, twitter.com/shehricbe

اداریہ

سونامی کے کنارے پر

پاکستان میں سیاسی رہنما سونامی کو پکار رہے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ فطرت نے ان کی بات سن لی ہے اور وہ پہلے سے ہی اس کی تیاری کر رہی ہے۔

۱۹۸۰ء کے بعد سال ۲۰۱۴ء کو آب وہوا کے تاریخی لحاظ سے سب سے بڑا گرم سال قرار دیا گیا۔ ورلڈ میٹرولوجسٹ تنظیموں نے جو بھی اعداد و شمار اکٹھے کیے ہیں وہ یہ بتا رہے ہیں کہ یہ زمین کا سب سے زیادہ گرم سال رہے گا۔

ظاہری طور پر 0.09 درجہ حرارت جو پچاس سال پہلے تھا، وہ کوئی بڑی بات نہیں، مگر یہ ہزاروں اعداد و شمار، ہزاروں لوگوں کی جان لے رہے ہیں۔ تھر میں حالیہ قحط سالی، پاکستان کے شمالی علاقوں میں سیلاب، امریکا کے مغربی علاقوں میں ریکارڈ آٹھ فٹ برف باری اور ترکی میں پانچ سو فیصد اضافہ ہوا ہے۔ یہ کچھ ایسی مایوس کن مثالیں ہیں جو کہ اس سال دنیا نے دیکھیں۔

پاکستان میں لوگ سیاسی آب وہوا کی تبدیلی کے بارے میں زیادہ پریشان ہیں، حالانکہ وہ بھی جو اس تبدیلی کے لیے چلّا رہے ہیں، وہ بھی اس بڑھتے ہوئے ماحولیاتی خطرات سے واقف ہیں، جس میں اتنی طاقت ہے کہ اس نے چند سالوں میں ہماری معاشی سرمایہ کاری کو نگل لیا ہے۔ تبدیلی لانے والوں کے لیے یہ بات خطرے کی گھنٹی ہے۔ ان معاملات کو حل کرنے کے لیے حکومت کو ایمرجنسی بنیاوں پر WMO کی مدد لینی چاہیے۔ سیلاب اور قحط سالی ابھی ختم نہیں ہوئی ہے، بلکہ وہ مزید مصیبت لا رہی ہے۔

دوسری جانب ہماری ڈیزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی جو کہ خود ایک مصیبت ہے جس نے دوسرے کیمیائی پاور پلانٹ کی تعمیرات پر بھی کراچی میں مخالفت نہیں کی۔ فوکوشیما نیوکلیئر ایمرجنسی سے ان لوگوں نے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ ۲۰۱۱ء میں جاپان نے ۳۰۰،۰۰۰ لوگوں سے دوسرے ترقی یافتہ اقوام کی مدد سے گھر خالی کروائے تھے اور اس کے علاوہ ۱۶،۶۰۰ لوگ اجل کا شکار ہوگئے تھے۔ کیا ہم کراچی اور حیدرآباد کے ۲۴ء۵ ملین لوگوں کے لیے بھی وہی کریں گے۔ خاص طور پر جب ایمرجنسی ہو جائے تو۔ اس کا جواب بہت ڈراؤنا ہے۔

فروری ۲۰۱۴ء میں سینیٹر سعید غنی نے عوامی مسائل کی اہمیت پر ایک توجہ دلاؤ نوٹس پیش کیا تھا، جو کہ کراچی میں دو جوہری ری ایکٹرز کی تعمیرات کے حوالے سے تھا۔ دونوں ری ایکٹرز ایک تو نئے تھے اور دوسرے بغیر آزمائے ہوئے۔ جو کہ پارلیمنٹ کے لیے Safety threat تھے۔ اب اس جانب توجہ شروع ہوگئی ہے۔ حکومت نے بغیر کسی تجربے کے جوہری پاور پلانٹ ماڈل ACP-1000 کی تعمیر کا کام جاری رکھا ہوا ہے، جو کہ چائنا میں بھی آپریشنل نہیں ہے اور ڈونر بھی چائنا ہے۔

اس ڈراؤنے خواب میں بہت کچھ ہے۔ ہماری حکومت نے حالیہ 'سندھ اسپیشل ڈیولپمنٹ بورڈ بل ۲۰۱۴ء کی منظوری دی ہے جو کہ سندھ ہائی ڈینسٹی ڈیولپمنٹ بورڈ بل ۲۰۱۰ء کے بعد متعارف کروایا گیا ہے۔ اس ایکٹ کی مہربانی سے اب غریب بستیاں کمرشل علاقہ بن جائیں گی۔ غریب لوگوں کو قانون کو عمل میں لانے والی ایجنسیاں زبردستی وقتی طور پر ۶۰۰ مرلے کے مکان میں بھیج دیں گی، جب تک غریب لوگوں کے گھروں کی تعمیرات مکمل نہ ہو جائے (اگر تعمیرات شروع ہو تب) ان کی خدمات کے بدلے میں آباد کے امیر بلڈرز کو غریبوں کی ۲۵ فیصد مہنگی زمین مفت کے بھاؤ دی جائے گی۔ ۶۰۰ بڑے بلڈرز اب ہزاروں لوگوں کی قسمت پر غور کریں گے اور بدقسمتی سے ہماری حکومت ان کی ہمت افزائی کر رہی ہے۔

ایسے ماحولیاتی ہتک آمیز کاموں پر توجہ مرکوز کرنا، ہمیں یقیناً ملک میں ماحولیاتی تبدیلی کی ضرورت ہے۔ ایسا ماحول جو اپنے باشندوں کو فائدہ پہنچائے، نہ کہ ان کو تکالیف سے دوچار کرے۔ شہری۔سی بی ای نے اس لیے کچھ تعلیمی جانکاری حاصل کی ہے اس خبرنامے (نیوز لیٹر) میں، تاکہ مستقبل میں لوگوں کے لیے بہتر پالیسی اور ماحول مہیا ہو سکے۔ ہم مل جل کر پاکستان میں ایک صحت مند، خوشحال اور بہتر ماحول پیدا کر سکتے ہیں۔

شہری

R-88، بلاک 2، پی ای سی ایچ ایس،
کراچی 75400، پاکستان
ٹیلی فون/فیکس: 46 06 53 34-21-92+
E-mail: info@shehri.org
Url: www.shehri.org
ادارتی مشاورت : شہری۔سی بی ای ٹیم

انتظامی کمیٹی:
چیئرپرسن : سمیر حامد ڈودھی
وائس چیئرپرسن: ڈیرک ڈین
جنرل سیکریٹری : امبر علی بھائی
خزانچی : عامرہ جاوید
ارکان : نورالدین احمد، محمد علی رشید، رولینڈ ڈی سوزا
شہری اسٹاف:
کوآرڈی نیٹر : سرور خالد
اسسٹنٹ کوآرڈی نیٹر: ریحان اشرف
بانی ارکان:
نوید حسین، بیرسٹر قاضی فائز عیسیٰ
حمیر الرحمٰن، دانش آذر زوبی
بیرسٹر زین شیخ، خالد ندوی، قیصر بنگالی

قلمکاروں کی ضرورت:

شہری نیوز لیٹر طلبا، ماہرین ماحولیات/تعمیرات اور ماحولیات میں دلچسپی رکھنے والے شہریوں میں مقبول ہے۔ آپ بھی 'شہری' کے لیے لکھیے۔ اس ضمن میں معلومات کے لیے 'شہری' کے دفتر سے رابطہ قائم کریں۔

شہری کی رکنیت ''شہری برائے بہتر ماحول'' کے تمام ارکان کے لئے کھلی ہے۔ اس اشاعت میں شامل مضامین کو شہری کے حوالے کے ساتھ شائع کرنے کی اجازت ہے۔

ایڈیٹر / ادارتی عملہ کا خبرنامہ میں شائع ہونے والے مضامین سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

Production: Grid Art
Tel: 021-34152970
Cell: 0333-2276331
website: www.thegridart.com

Printed by:
Saudagar Enterprises

مالی تعاون: فریڈرک نومان فاؤنڈیشن
رکن IUCN دی ورلڈ کنزرویشن یونین

Every effort has been made to ensure the accuracy of the contents of this publication. The author or the organization does not accept any responsibility of any omission as it is not deliberate. Nevertheless, we will appreciate provision of accurate information to improve our work.

Member of IUCN World Conservation Union

Expansion 2014, a digital print by Taqi Shaheen. PHOTO: COURTESY THE ARTIST

کرتی آرہی ہے کہ اس کو سرخ روشنی والے علاقے کو گرا کر رکھنا ہے۔ کیونکہ یہ معاشرے کو بداخلاق بنا رہا ہے۔ شہری کاؤنسل ایسی عورتوں کو شہر کے باہر ایک ویران و بیابان علاقے میں دھکیل دیتی ہے۔ تاریخ خود کو دہراتی ہے۔ غلام عباس بحیثیت ایک اردو زبان کے مختصر کہانی والے مصنف کی حیثیت سے، ایک شہری منصوبہ کار نہیں تھا، مگر ایسا لگتا ہے کہ 'آنندی' کے بارے میں بھی ایسی قیاس آرائی کی گئی تھی، جیسا آج ہم کراچی میں دیکھ رہے ہیں۔ یہ خواہش کہ ایسی تعمیراتوں سے جان چھڑائی جائے، وہ بھی بغیر کسی دوراندیشی کے۔ غیر پسندیدہ اور ناانصافی کا ذریعہ ہے۔ اس سلسلے میں سندھ اسپیشل ڈیویلپمنٹ بورڈ بل ۲۰۱۴ء لایا گیا۔

نیا قانون یہ کہتا ہے کہ: تمام کچی آبادیاں اور شہر کے گندے محلے پھر سے آباد کیے جائیں گے۔ ہر گھر کو رہنے کے لیے ایک نعم البدل جگہ دی جائے گی۔ ۶۰۰ اسکوائرفٹ (ایک بیڈروم اور لاؤنج) ترجیحی (مگر ضروری نہیں کہ) اسی علاقے میں۔ اس دوران جو جگہ انہوں نے خالی کی ہے ان کو مسمار کر کے وہاں پر بلڈر ان کے لیے مفت میں گھر بنائیں گے۔ ان کے بدلے میں بلڈر کو ۲۵ فیصد کچی آبادی کی زمین مفت میں دی جائے گی جہاں پر وہ فروخت کرنے کے لیے کمرشل پروجیکٹ بنائیں گے۔ اسپیشل ڈیویلپمنٹ بورڈ اس کام کے لیے 'آباد' سے ایک ممبر منتخب کریں گے۔ 'آباد' ایک پرائیویٹ بلڈرز ایسوسی ایشن اینڈ ڈیویلپرز کی انجمن ہے، اس کے ٦٦٠ ممبرز ہیں جو کہ بحریہ ٹاؤن، پرائیویٹ لمیٹڈ، سائمہ رئیل اسٹیٹ اور چیپل بلڈرز پر مشتمل ہیں۔

ممکن ہے یہ کام ایک اعلیٰ نوعیت کا ہو، مگر حکومت نے اس نئے قانون کی حمایت کرنے کا فیصلہ کیوں کیا؟ یہ بات تسنیم صدیقی پر واضح نہ ہوئی۔ تسنیم صدیقی: جو کہ کم خرچ والے گھر بنانے میں ماہر ہیں، جنہوں نے حیدرآباد کی خدا کی بستی کی اسکیم بنائی جس نے ۱۹۹۵ء میں عمارت سازی/فن تعمیر میں آغا خان ایوارڈ حاصل کیا۔

'مجھے استدلال اور معقولیت سمجھ میں نہیں آتی' انہوں نے دی ایکسپریس ٹریبیون کو بتایا۔ ہمارے پاس پہلے سے ہی قانون اور ادارے موجود ہیں جو کہ کم آمدنی والے گھر بناتے ہیں۔ اگر وہ یہ نہ کرتے تو قوانین میں تبدیلی کی ضرورت ہوتی، یا اداروں کو بند کرنے کی ضرورت ہوتی۔

کیا سندھ کچی آبادی اتھارٹی اپنے ۱۹۸۷ء والے ایکٹ کے ساتھ نامکمل ہے؟ اس نے کم سے کم چار سستی بستیاں بنائی ہیں جن کے نام درج ذیل ہیں: دی ملیر ڈیویلپمنٹ اتھارٹی نے پرویز مشرف کے دور میں پوشیدہ طور پر ہزاروں پلاٹ دیئے۔ سندھ گوٹھ آباد ہاؤسنگ اسکیم ایکٹ ۱۹۸۷ء کے بارے میں کیا کہیں گے، جس کے تحت کراچی کے ۲۱۷۳ گھروں کے کاغذات تیار ہوئے (اورنگی پائلٹ پروجیکٹ) کیا کہیں پر نا کام ہوگیا؟ اور شہید بے نظیر بھٹو ہاؤسنگ اسکیم کے بارے میں کیا کہیں گے؟ جب پاکستان پیپلز پارٹی ۲۰۰۸ء میں اقتدار میں آئی تو وزیراعلیٰ سندھ قائم علی شاہ نے ایک سیل قائم کیا اور کہا کہ 'یہ سب ضلعی ہیڈکواٹرز ہیں یہ غریبوں کو اپنا گھر مہیا کرے گا' تب سے اس نے ۶۰۰۰ گھر بنانے میں لوگوں کی مدد کی اور اس کے بعد دوسرے مرحلے میں ۶۰۰۰ مزید گھر بنانے والے مرحلے میں داخل ہوگیا۔ یہ وزیراعلیٰ کے صوابدید اختیار میں ہے۔ ایک آفیسر

نے سیل میں کہا۔ اس لیے، اصطلاحی طور پر، اگر وہ مزید زیادہ رقم اس میں رکھنا چاہتے تھے تو وہ کر سکتے تھے۔ اس لیے وزیر اعلیٰ اس نئے بورڈ کی سربراہی کیوں کر رہے ہیں۔

بڑا فرق

7m

یونٹس کی پاکستان میں کمی ہے۔ اور جو کم آمدنی والے لوگ ہیں زیادہ تر ان کی ڈیمانڈ زیادہ ہے۔

بڑی مشکل سے اس بات پر بحث ہوئی ہے کہ اس بورڈ کو کیوں ضرورت پڑی ایسے اداروں کی جن کا وجود پہلے سے ہی موجود ہے۔ ۲۴/اکتوبر کو یہ بل مخالفت کے ساتھ پاس ہوا۔ مخالفین نے اعتراض کیے کہ ان کو اس بل کا مسودہ نہیں دیا گیا۔ اس نے مؤثر اور نئے انداز سے 'سندھ اسپیشل ڈیولپمنٹ بورڈ' قائم کیا۔ مگر 'منصوبہ بندی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو کہ بورڈ کر سکے۔' یہ بات کراچی کے معروف تاریخ دان، منصوبہ نگار اور معمار عارف حسن کی۔ 'یہ کام ماسٹر پلان ڈپارٹمنٹ کا ہے۔ کیونکہ یہ overarching سٹی پلاننگ ایجنسی ہے۔ اصطلاحی طور پر/فنی طور پر ماسٹر پلان ڈپارٹمنٹ سندھ بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی (SBCA) کی چوٹی پر بیٹھتا ہے اور ایسے حکمت عملی کے فیصلے کرتا ہے۔ مسئلہ فقط اتنا ہے کہ پچھلے سال ماسٹر پلان ادارے کو سندھ بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کے ماتحت کر دیا گیا تھا، اس کو عدالت میں چیلنج کیا گیا تھا اور یہ سندھ حکومت کے لیے کیسے ممکن تھا کہ وہ سندھ بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کو اپنے ماتحت بناتے۔ اس تناظر میں این ای ڈی کے پروفیسر نعمان احمد نے بتایا کہ 'میں نہیں سمجھتا کہ سندھ بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کو نئے قانون میں داخل کرنے سے کوئی مثبت قانونی اور منتظمانہ طور پر

EXTRAORDINARY — Registered No. M324

The Sindh Government Gazette

Published by Authority

KARACHI TUESDAY NOVEMBER 11, 2014

PART-IV

PROVINCIAL ASSEMBLY OF SINDH
NOTIFICATION
KARACHI, THE 13TH NOVEMBER, 2014.

NO.PAS/Legis-B-32/2014- The Sindh Special Development Board Bill, 2014 having been passed by the Provincial Assembly of Sindh on 24th October, 2014 and assented to by the Governor of Sindh on 11th November, 2014 is hereby published as an Act of the Legislature of Sindh.

THE SINDH SPECIAL DEVELOPMENT BOARD ACT, 2014.

SINDH ACT NO. XXI OF 2014.

AN
ACT

to provide for establishment of a Board to be known as the Sindh Special Development Board;

Preamble. WHEREAS it is expedient to establish a Board to be known as the Sindh Special Development Board, to facilitate and undertake low cost housing schemes, rehabilitation of katchi abadis, slums areas, gothabad schemes, mutli-stories and high rise buildings in the Province of Sindh, and to provide for matters connected therewith or ancillary thereto;

It is hereby enacted as follows:-

Short title, extent and commencement. 1. (1) This Act may be called the Sindh Special Development Board Act, 2014.

(2) It shall extend to the whole of Province of Sindh.

L iv-89 — Ext -IV-27 — (231) — Price Rs. 70.00

اچھے نتائج برآمد ہوں۔

ایسے قانونی شائبہ/معمولی فرق کو ایک طرف رکھتے ہوئے پروفیسر یہ بھی دیکھتے ہیں کہ یہ قانون سندھ اسمبلی میں موجود دو پارٹیوں کے درمیان تنازعے کا نتیجہ ہے۔ اس قانون کو آگے لاتے ہوئے حکومت نے لوکل گورنمنٹ سے مزید اختیارات اپنے پاس لے لیے۔ لوکل باڈیز نے اختیارات سے بہت سارے فائدے اٹھائے، اور اب وہ صوبائی ادارے اٹھا رہے ہیں۔' انہوں نے کہا سندھ سالڈ ویسٹ مینجمنٹ بورڈ بل، جو کہ کچھ ماہ پہلے پاس ہوا تھا، وہ بھی اس ضمن میں ایک کیس ہے۔ یہ مرکز کو اختیارات سپرد کرتا ہے تا کہ بڑے شہری مراکز کو چلایا جا سکے۔ اس دوران میونسپل باڈیز سے اختیارات واپس لے لیے گئے تھے۔ سندھ اسپیشل ڈیولپمنٹ بورڈ کے کیس میں ایسا لگتا ہے کہ حکومت یہ کہہ رہی ہو کہ: کراچی میونسپل کارپوریشن کو بھول جاؤ، سندھ حکومت چاہتی ہے کہ یہ کام کوئی دوسرا/ نیا بورڈ کرے۔

فقط، سندھ حکومت ایک چوکیدار رکھتے کی طرح بلڈرز اور ڈیولپرز پر نظر رکھنے کے بجائے وہ ان کو آدھا شہر حوالے کر رہی ہے۔

'سرمایہ کاری، دروازے پر دستک دینے سے کوئی بھی خود مختار حکومت اپنے بائی لاز اور

ماسٹر پلان تخلیق کر کے اپنے لیے رکاوٹیں پیدا نہیں کر سکتی۔' یہ بات معمار عارف بلگرامی نے کہی، جو کہ انڈس ویلی اسکول آف آرٹ اور آرکیٹیکچر جیسے ادارے میں پڑھاتے ہیں یہ ایک شاندار تین گنا مفت مارکیٹ، اِکنامکس، نجکاری اور ڈی ریگولیشن ہے اور سماجی خرچ کو کم کرتا ہے۔ ریاست فقط ایک سہولت مہیا کرنے والی ایجنٹ کا کام کرتی ہے۔

المیہ یہ ہے کہ اس قانون سازی کو آگے بڑھانے والی پاکستان پیپلز پارٹی ہے۔ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ غریب لوگوں کو پسند کرنے والی پارٹی ہے۔ شرم آنی چاہیے کیونکہ وہ ذوالفقار علی بھٹو ہی تھے جنہوں نے ۱۹۷۰ء میں کچی آبادی کے لیے حکومتی پالیسی کو یہ کہہ کر تبدیل کر دیا تھا کہ 'ان کچی آبادیوں کو پکا ہونا چاہیے اور ان کے لوگوں/ باشندوں کو معمولی قیمت پر مالکانہ حقوق دیئے جائیں۔ اداروں کی سوچ کو تبدیل کرنے کے وہی ذمہ دار تھے جو کہ کچی آبادی والے مکینوں کو باعث زحمت سمجھتے تھے۔

ایک نہایت ہی صاف اشارہ ہے کہ یہ ایک غریب پرور قانون سازی نہیں ہے۔ ایک سادہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی غریب کی نمائندگی نہیں کرتا۔ اور یہ کچی آبادیوں، گوٹھوں کی قسمت کا فیصلہ کرے گا۔ یہ حکومتی عہدیداروں اور قانونی باڈیز کے ممبران سے بھرا ہوا ہے۔ مگر تصور دینے کے لیے شہر کے مرکز میں لوگوں کی بہبود اور کچی آبادی کے لیے مسودہ یہ کہتا ہے کہ بلڈران لوگوں کو صحت کی بیمہ پالیسی اور تعلیم (گریجویشن) مہیا کرے گا۔ (ایک ڈویلپر پہلے سے ہی ٹیلی ویژن پر خیراتی وعدہ کر رہا ہے)۔

عارف بلگرامی اس کو حکومت کی غیر موجودگی تصور کرتے ہیں، اسی لیے ریاست کو یوٹیلیٹی، گھر، تعلیم، صحت، تحفظ مہیا کرنے کی ذمہ داری نجی اداروں اور این جی اوز نے تصور کر لیا ہے کہ ریاست نے ان کو دینے/ مہیا کرنے کا بہانہ کیا ہے۔

اس لیے حقیقت میں ڈویلپرز ہی کراچی کی اصل حکومت ہیں۔ یہ ایک نئی وسیع تبدیلی ہے، اس حساب سے کہ وہ پرائیویٹ سیکٹر کو وسیع تر کردار دیتا ہے۔ مگر نجی ادارے تجارتی بنیادوں پر فیصلے کرتے ہیں، نہ کہ شہریوں کی بہتری/ فلاح کی بنیادوں پر، چاہے کوئی کتنا بھی غریب یا امیر کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ ریاست کو کرنا چاہیے اس لیے نجی ادارے/ حلقے قیمتی اثاثے/ زمین حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔

عارف حسن نے اس قسم کی نئی وسیع سوچ، کراچی ڈویلپمنٹ اتھارٹی اور سیاستدانوں کی دیکھی ہے۔ 'آپ کے پاس لوگ، آفیسر اور ڈویلپرز ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ''یہ لوگ انتہائی قیمتی/ مہنگی ترین زمین پر بیٹھے ہیں۔'' انہوں نے کہا ''خدا کی بستی کے تسنیم صدیقی اور اورنگی پائلٹ پروجیکٹ کی پروین رحمان شہید جیسے لوگوں پر الزام لگائے گئے کہ وہ کچی آبادی کی حوصلہ افزائی کرتے تھے لوگوں کو پراپرٹی کے مالکانہ حقوق دیتے ہوئے۔ بالکل آنندی کی ریڈلائٹ ایریا کی طرح۔ کراچی کے لوگ کچی آبادیوں پر سماجی برائیوں کا الزام لگاتے ہیں۔ کیونکہ غریبوں کے گھر ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ ان کا وجود نہیں ہونا چاہیے۔ یہ مڈل کلاس کے لوگوں کی سوچ ہے۔'' صدیقی نے کہا۔ ''غریب لوگ مجرم ہیں (جرم کرتے ہیں)'' ۔ آباد کے چیف جنید تالو اس فلسفے کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ''وہاں پر بڑا جرم ہوتا ہے، کیونکہ قانون کو عمل میں لانے والے وہاں داخل نہیں ہو سکتے۔'' انہوں نے مزید کہا کہ آباد کا مقصد یہ ہے کہ وہ کراچی کے امن و امان کے مسائل کو حل کرنے کے لیے کچے اور گندے علاقوں کو نئے سرے سے تعمیر کرے۔

اس لیے کچے/ پرانے گھروں کو گرا دینا چاہیے۔ یہ اس پالیسی کا مقصد ہے کہ جس نے حکومت کو آمادہ کیا کہ وہ ۱۹۸۰ء کی شروعات میں لائینز ایریا کی نئے سرے سے آبادکاری کے پروجیکٹ سے شروعات کرے۔ وہاں کے مکینوں کو کورنگی میں دوبارہ آباد کیا گیا۔ ان لوگوں کو ان گھروں کی جگہ اس وعدے کے ساتھ پرچیاں (رسیدیں) دی گئیں کہ انہیں واپس بلایا جائے گا، جب بھی نئے گھر تعمیر ہو جائیں گے۔ تاخیر کی وجہ سے کافی لوگ مایوس ہوئے، کتنے ہی لوگوں نے وہ پرچیاں دلالوں اور ڈویلپرز کو فروخت کر دیں۔ اس لیے وہ مزید غربت میں ڈوب گئے اسی دوران زمین کمرشل مفادات کی خاطر پولیس کی ملی بھگت سے قبضہ کر لی گئی۔ 'اس لیے یہ ایک کچرے کا ڈھیر ہے۔' صدیقی نے بتایا 'اس لیے میں لوگوں کو ہٹانے کے خلاف ہوں' مگر ان کو زمین کے بدلے نقد رقم دینے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ 'مسئلہ یہ ہے کہ وہ پھر بھی بے گھر ہو جائیں گے۔ آپ کو انہیں مالکانہ حقوق دینے ہوں گے، جہاں وہ رہتے ہیں۔ یہ ایک ایسی مثال ہے جو کام کرے گی۔' تسنیم صدیقی کہتے ہیں کہ 'آپ پہلی فرصت میں سروے کریں۔ وہ یہ پتا لگائیں گے کہ زمین کیسے استعمال کی جاتی ہے۔ ایک گھر میں کتنے افراد رہتے ہیں اور یہ کس پر مشتمل ہے (Ground +1 or +2) آپ لوگوں کو بتائیں کہ اس زمین کی مالیت کیا ہے اور ان کو اس زمین کے مالک ہونے کے لیے کتنی رقم ادا کرنی پڑے گی۔ کچی آبادی کے حوالے سے قانون یہ کہتا ہے کہ ان کو ۱۹۸۷ء میں ۲۵،۰۰۰ روپے ادا کرنے کی ضرورت تھی۔ (یہ رقم بعد میں ترمیم کی گئی) قانون یہ ہے کہ گھروں کی مانگ میں اضافہ ہونے سے زمین کو مارکیٹ کے حساب سے ۲۵ فیصد پر فروخت کیا جائے۔ اس طرح آپ کم آمدنی والے افراد کے لیے اپنا گھر حاصل کرنا ممکن بنا سکتے ہیں۔

صدیقی یہ مشورہ دیتے ہیں کہ آپ اس رقم کو

تین حصوں میں تقسیم کریں۔ ایک حصہ حکومت کو جائے گا جو کہ زمین کی مد میں امداد ہوگی، تا کہ کچی آبادی والوں کو مالکانہ حقوق مل سکیں۔ تیسرا حصہ دفتر کو جائے گا جو کہ اس کام کے لیے کاغذی کارروائی مکمل کرے گا اور تیسرا حصہ کچی آبادی کی بہتری میں خرچ ہوگا۔ جیسے گندے پانی اور غلاظت کو دور لے جانے کے لیے نل اور نالیوں (صحت وصفائی) کے لیے۔ اس طرزِ نمونہ میں کسی کو بھی گھر خالی نہیں کرنے پڑیں گے، بلکہ آہستہ آہستہ ان کی طرزِ رہائش بہتر ہوتی جائے گی۔ حکومت بھی کچی آبادیوں کو اپنے جال میں لا رہی ہے۔

صدیقی کہتے ہیں کہ یہ ایک ایسا ماڈل ہے جس کا خرچ برداشت کیا جاسکتا ہے جس کی کامیابی کا ۱۹۹۱ء سے ۲۰۰۵ء تک سندھ کچی آبادی اتھارٹی نے مظاہرہ کیا ہے۔ اس نے بہت ساری کچی آبادیوں کو پکا کیا ہے۔ ۱۵ سال یہ کام جاری رہا اور بین الاقوامی اداروں نے اس کو تسلیم کیا۔ 'وہ اپنی مدد آپ کے تحت تھا،' انہوں نے کہا وہاں کوئی بھی اے ڈی بی یا ورلڈ بینک حتیٰ کہ سندھ حکومت بھی نہیں تھی۔

غیر رواجی قیام/ انتظام کو بہتر بنانا ہی ایک حل ہے۔ مگر آباد کے جنید تالو اور وہ لوگ جو اس قانون کی پشت پر کھڑے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ 'مٹاؤ اور بڑی عمارتیں بناؤ' ایک بہتر سانچہ ہے۔ عارف حسن نے ہوچی منہ سٹی میں اس ماڈل کی ممکنات کے لیے کام کیا ہے۔ انہوں نے اس بات کا پتہ لگایا ہے کہ یہ کام حکومت اور شہریوں کے بس سے باہر ہے۔ لوگوں کو منتقل کر کے ان کو نیا گھر بنا دینا، ۵۰۰،۵ ڈالر فی گھر پڑتا ہے۔ مگر ان کی بستیوں کو اپ گریڈ کرنے کے لیے فی کس ۳۲۵ ڈالر خرچ آتا ہے جو کہ مناسب رقم ہے۔

بمبئی، دھراوی میں پرانے گھر مٹا کر ان کی جگہ نئے گھر بنانے میں کامیاب نہیں ہوا، مہاراشٹرا حکومت کو اسے نیشنل سلم ڈیویلپرز ایسوسی ایشن کو دینا پڑا۔ ترکی میں حکومتی باڈی TOK اسی لائق تھی کہ اس کے تجربے سے کامیابی حاصل کی جائے۔ اس نے غریب علاقوں کو مسمار کر دیا جہاں کی زمین قیمتی تھی اور وہاں کے مکینوں کو پندرہ منزلہ فلیٹوں پر شہر سے باہر منتقل کر دیا مگر آخر میں ترکی کو انسانیت کی حقوق کی انحرافی کے الزام کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ نہایت اعلیٰ طریقے سے بنائے گئے بلاکس ہیں اور ان تمام سہولیات سے آراستہ ہیں جن کا آپ تصور کر سکتے ہیں، مگر لوگ ناراض ہیں۔ حسن نے کہا۔ وہ اپنے بچوں کی پرورش نہیں کر سکتے اس لیے انہوں نے گینگ بنا ڈالے اور نشہ کرتے ہیں۔ اسکول اور ہسپتال بہت دور ہیں۔ خواتین کو اپنی رہائش گاہوں کے قریب کام نہیں ملتا، جیسے ان کو پہلے ملا کرتا تھا۔

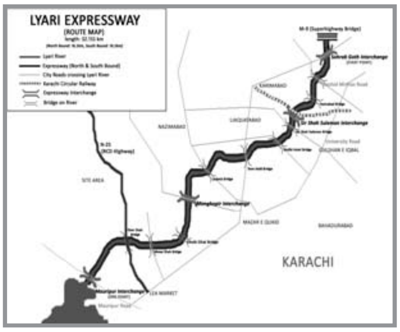

کسی بھی کچی آبادی پالیسی کے لیے ان کو وہاں اڑوس پڑوس کے مطابق ان کی ثقافت، سماجیات اور معاشیات پر غور کرنا ضروری ہے۔ ایک بڑی حقیقت اس سلسلے میں یہ ہے کہ کام کرنے والے لوگوں کو اپنے کام کرنے والے اداروں کے قریب رہنے کی ضرورت ہے۔ خاص طور پر وہاں اور بھی زیادہ ہے جس شہر میں لوگوں کے لیے آمد و رفت کا نظام نہیں ہے۔ معمار عدنان اسد، جنہوں نے کم آمدنی والے گھر بنائے ہیں، انہوں نے دیکھا کہ ان لوگوں کے ساتھ کیا ہوا ہے جن لوگوں کو لیاری ایکسپریس وے بنانے کے لیے اٹھایا گیا تھا۔ ان لوگوں کو ہاکس بے کے قریب مشرف کالونی بھیجا گیا تھا۔ 'یہ شہر سے دو گھنٹے کے فاصلے پر واقع ہے' لوگوں کو کام پر آنے کے لیے روزانہ ایک سو روپے خرچ کرنا پڑتے ہیں جو کہ مہینے میں ۳۰۰۰ روپے ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا۔ آپ ان کو دوبارہ دوسری جگہ بٹھا کر ان کو مزید غریب بنا رہے ہیں۔

اگر آپ ماڈل گھر بنانے کے لیے لوگوں کو کچی آبادیوں سے بے گھر کر کے اونچی عمارتوں میں لاتے ہیں تو معاشیات بھی اپنا ردِعمل دکھاتی ہے۔ ان محلوں میں پیدل چلنا یہ ثابت کرے گا کہ وہ اپنے پلاٹ چھوٹے کاروبار کے لیے بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ ایک مستری کیا کرے گا جب آپ اس کو چھٹی منزل پر بٹھا دیں گے۔

جب تک آپ کچی آبادی کے مکینوں کے لیے کم آمدنی والے فلیٹ بنا کر مفت میں ان کو نہیں دیتے، آپ ان کو مزید غریب بنا دیں گے۔ اگر آپ یہ امید کرتے ہیں کہ وہ آپ کو ان کی رقم ادا کریں گے۔ ایسا ہی لانڈھی، کورنگی، جنرل اعظم اسکیم کے ساتھ بھی ہوا۔ جس کی ۱۹۶۰ء میں ڈاکس یارڈز پلان کے تحت بنیاد پڑی تھی۔ عارف حسن نے کہا۔ وہ ۱۹۵۸ء کا حوالہ دے رہے ہیں۔ اپنا پریشر کم کرنے کے لیے مقبوضات غیر سے گھرا ہوا علاقہ بنانے کا فیصلہ کیا تھا۔ یہ لوگ زیادہ تر ہندوستان کے مہاجرین تھے۔ ان دنوں لیفٹیننٹ جنرل اعظم خان حقوق کی بحالی کے وزیر تھے۔ اس حکومت وقت نے یونان کی عمارت سازی کی مدد حاصل کی تھی، جس نے ان لوگوں کو کورنگی بھیجنے کا مشورہ دیا تھا۔ لوگوں سے یہ امیدیں وابستہ کی گئیں تھیں کہ وہ ہر مہینے کی قسطیں ادا کریں گے۔ مگر جب وہ ایسا نہیں کر پائے تو پراجیکٹ رک گیا۔ کیونکہ 'گھومنے والا سرمایہ رک گیا' مگر پھر ایسا بھی وقت آیا جب پراجیکٹ اپنے عملے پر زیادہ خرچ کرنے لگا۔

اگر سندھ حکومت مزید کچی آبادیوں کو بہتر بنانا نہیں چاہتی تو ان کو اس بات کا مطالعہ کرنا چاہیے کہ

وہ کیسے بڑھتے ہیں۔اس موضوع پر ماہرین کی کمی نہیں ۔ اس تاریخ کا سب سے بڑا حصہ مختلف اسباب کی وجہ سے سالوں سے لوگوں کے ہجوم کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔

شہری کے رولینڈ ڈی سوزا کے مطابق، میٹھادر اور کھارادر کے علاوہ باقی کراچی کے جتنے بھی علاقے ہیں جیسے کواٹرز، جس کی منصوبہ بندی برطانیہ نے کی تھی۔ وہ خالی جگہ تھی جو کہ انڈیا سے آنے والے نئے مسلمانوں نے اپنے پاس رکھنا شروع کیا تھا۔ وہ نالوں، پارکوں، امینٹی پلاٹس اور وہ پلاٹس جو ہندو خالی کر کے چلے گئے تھے ان پر بیٹھ گئے۔ حالانکہ کم آمدنی والے گھر سالوں سے بننا شروع ہوگئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کچی آبادیوں نے نشونما پائی، کیونکہ وہ مناسب قیمت پر مہیا تھے۔ کوئی بھی غریب آدمی کچی آبادی میں نہیں رہ سکتا، اگر وہ پکی آبادی کے پلاٹ کا خرچہ برداشت کر سکتا ہے تو۔ دراصل کے ڈی اے ہی غیر رسمی ڈویلپر تھا (جس نے اس کو ممکن بنایا)۔

جب حکومت نے غریبوں کے لیے کم آمدنی والے خدا کی بستی جیسے ماڈل گھر متعارف کرائے، تاکہ وہ سائٹ کے قریب رہیں اور تین مہینے میں انہیں گھر حوالے کیے جاسکیں۔ کے ڈی اے نے ۶۰ مربع گز پلاٹ کی اسکیم متعارف کروائی اور رقم بھی وصول کی مگر اگلے ۱۰ سال تک اس کو مکمل نہیں کیا۔ جبکہ غریب کبھی انتظار نہیں کر سکتے۔ ڈی سوزا نے مزید کہا کہ بلڈرز کو خدا کی بستی کے ماڈل پسند نہیں کیونکہ وہ وہاں سے کوئی رقم نہیں بنا پائیں گے۔

درمیانی آمدنی کے گھر بنانے میں زیادہ منافع ہے۔ آج دو کمروں کے فلیٹ کی کوئی کمی نہیں، جو کہ بلڈرز 1.2 ملین کی مالیت میں ۶۰۰ اسکوائر فٹ کے گھر بناتے ہیں۔ تسنیم صدیقی نے کہا' ان لوگوں کا کوئی قصور نہیں،' انہوں نے کہا' کراچی میں تقریباً ۵۰،۰۰۰ ان میں سے خالی ہیں۔' آباد نے پوچھا وہ خالی کیوں ہیں؟ وہ اس لیے خالی ہیں کہ کتنی بار بلڈرز نے اپنے وعدے پورے نہیں کیے جو انہوں نے اپنے صارف کے ساتھ کیے تھے۔ وہ ایسے فلیٹ کی پیشکش کرتے ہیں جن میں کوئی یوٹیلیٹی کا کنکشن نہیں ہوتا،' صدیقی نے کہا۔ بلڈرز پراجیکٹ میں تاخیر کرتے ہیں۔ قیمتیں بڑھاتے ہیں اور حکومت پر انفرااسٹرکچر کی کمی کا الزام لگاتے ہیں۔ کبھی کبھی پروجیکٹس کے جو پارٹنرز ہوتے ہیں وہ ناکام ہو جاتے ہیں اور کام بغیر تکمیل کے چھوٹ جاتا ہے۔ کبھی کبھی زمین کا تنازعہ کورٹ میں چلتا ہے۔ وہ لوگ جو دس ہزار روپے مہینہ کماتے ہیں وہ 1.2 ملین کی مالیت کے فلیٹ کے متحمل نہیں ہو سکتے، ان کو کم آمدنی والے گھروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر آپ کی حکومت کو وہ زمین مہیا کرنا چاہیے۔

صدیقی نے تخمینہ لگایا ہے کہ وہاں ۱۱۰،۰۰۰ ایکڑ زمین ہونی چاہیے جو کہ مفت میں دی جائے۔ ان

کی یہ منطق سمجھ سے بالاتر ہے۔ خدا کی بستی میں ۲۰،۰۰۰ لوگ رہتے ہیں۔ دوسری طرف وہ لوگ ایک گندے محلے میں رہتے ہیں۔ آپ ایسی دس اسکیمیں کیوں نہیں بناتے ؟'

اس کو شک ہے کہ آباد کے ممبران ایسا محسوس کرتے ہیں کہ حکومتی منصوبہ بندی والی فلیٹ سائٹس خشک ہوگئی ہیں اور اب ان کو مارکیٹ کے حساب سے مہنگی زمین خریدنی ہے۔ اس لیے ان کی نگاہیں کچی آبادی کی طرف چلی گئی ہیں۔ اب سب اسکیمیں الاٹمنٹ سے بھری پڑی ہیں مگر ان کو مزید پلاٹ کی ضرورت ہے۔ بلگرامی نے سوال کیا کہ خاص طور پر آباد کی ممبرشپ سے فائدہ اٹھانے والوں کے بل کو کیوں روکا گیا۔ کوئی یہ بحث کر سکتا ہے کہ بل اجارہ دار کمرشل تعلقات پیدا کرتا ہے جو کہ سندھ پروکیورمنٹ اتھارٹی کے رولز کی انحرافی ہے۔

عارف حسن پیشگوئی کرتے ہیں کہ وہ اس ماڈل کی حوصلہ افزائی کریں گے بلڈرز سبسڈیز کو پار کرنے کی کوشش کریں گے تو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ کچی آبادی پر قبضہ کر لیں گے۔ گلیوں کے قریب مہنگے اپارٹمنٹ تعمیر کریں گے، اور ان کو کم آمدنی والوں کے لیے استعمال کریں گے۔ انہوں نے کہا ایک اندازے کے مطابق ایک گھر پر پانچ لاکھ کی رقم کا خرچہ ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھتا کہ اس رقم کی ادائیگی کیسے کی جائے گی، چاہے آپ اس کو دس سال کے لیے مقرر کر دیں۔ 'میرے خیال میں یہ کام نہیں کرے گا' اس لیے نہیں کہ وہ غلط ہیں، نہ ہی اداروں کی منصوبہ بندی اور مقاصد کی وجہ سے، عارف حسن کہتے ہیں، یہ سادہ لفظوں میں اس لیے کام نہیں کرے گا کہ اس میں جو لوگ ملوث ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں کہ وہ بستیوں کو اکھاڑ دیں اور ان کی جگہ غریبوں کے لیے بڑی بڑی عمارتیں کھڑی کریں۔ اگر آپ ایسے گھر جن میں یوٹیلیٹی کنکشن، کاروبار، فیکٹریاں ہیں ان کو مسمار کریں گے تو یہ ایسا ہوگا جیسے کوئی بم پھٹا ہو۔ پھر آپ ان کو منظم نہیں کر پائیں گے۔

سچ یہ ہے کہ یہ بل اعلیٰ پیمانے پر تجویز کیا ہوا ہے۔ جب اس نے پہلی بار اس بل کا مطالعہ کیا تو رولینڈ ڈی سوزا نے محسوس کیا کہ اس کے سوال کا جواب آ گیا ہے جب سندھ ہائی ڈینسٹی ڈیولپمنٹ بورڈ بل ۲۰۱۰ء میں آیا تھا۔ اس میں حکومت نے گیارہ پڑوسی ممالک کو ہائی ڈینسٹی زون قرار دیا تھا۔' اس میں زیادہ تر کچی آبادیاں تھیں' انہوں نے کہا، اس وقت ہمیں تعجب ہوا کہ وہ

کیسے کچی آبادیوں میں ہائی ڈینسٹی زون رکھے رہے ہیں۔ اس نئے قانون کے ساتھ، یہ اچانک بالکل صاف شفاف ہوگیا۔ ۲۰۱۴ء کا بل ۲۰۱۰ء والے بل کو ممکن بنا رہا تھا۔ حالانکہ بلگرامی بھی ان دونوں بلز کو آپس میں ملا جلا سمجھتے ہیں۔ ’مجھے حیرت نہیں ہوگی، اگر آنے والے دنوں میں کسی بھی نقطے پر ان دونوں بلز کو آپس میں ملا کے ایک کر دیا جائے گا۔‘ انہوں نے کہا۔ اس طرح یہ کام کرے گا۔ سندھ ہائی ڈینسٹی ڈیویلپمنٹ بورڈ نے ایک باڈی مقرر کی تھی جو کہ شہر کو مناسب قیمت میں فروخت کرنے کے لیے آمادہ ہوا تھا۔ سندھ اسپیشل ڈیویلپمنٹ بورڈ ایکٹ کا فقط اتنا کام تھا کہ وہ خریداری آباد کی حیثیت سے کرے۔ انہوں نے کہا کہ یہ فقط جادو کی گولی کی طرح ریاکاری ہے۔ عوامی تعلقات جو کہ شہر میں گھروں کی تمام کمی کو پورا کرے گا۔ مگر ریئل اسٹیٹ ڈیویلپرز کی خواہش ہے کہ شہر کے اندرونی حصے کھولنے ہیں جو کہ ایک بہانہ ہے اور کچھ نہیں۔

ماڈل کیسا بھی ہو یہ مسئلہ نہیں ہے، ماہرین یہ کہتے ہیں کہ سیاسی اثرات کی وجہ سے ہر چیز ممکن ہے۔ آباد کے جنید تالو نے زور دیا ہے کہ وہ لوگوں کے دل جیتنے کے لیے کوئی نیلامی میں ایسی مثال قائم کر سکتے ہیں۔ عارف حسن جیسے لوگوں نے اس سے پہلے بھی اس قسم کے وعدوں کے بارے میں سنا ہے۔ وہ لوگ جن کے پاس زمینیں ہیں وہ آسانی سے وہاں سے نہیں جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ بل کہتا ہے کہ ’قانون کو عمل میں لانے والے مدد کریں گے۔‘ ڈی سوزا نے کہا۔ وہ اپنے غنڈے وہاں بھیجیں گے۔

بلگرامی نے دباؤ کا عنصر بھی دیکھا کہ آرٹیکل 8(13) کو شامل کیے جانے پر قانون کو عمل میں لانے والے ادارے کچی آبادیوں کو ہٹانے کے لیے جو ہو سکے بورڈ کی مدد کریں اور ڈویلپرز کو بھی تحفظ کے ساتھ اپنی کاروباری مصروفیات جاری رکھنے کے لیے محفوظ ماحول مہیا کیا جائے۔

وہ کچی آبادیاں جن کے پاس لیز ہے اور جن کو صنعتیں دی گئی ہیں وہ بھی قانونی طور پر اتنی ہی اچھی ہیں۔

پروفیسر نعمان احمد یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس قانون کا مقصد یہ نظر آتا ہے کہ ایسے نامناسب اختیارات کی منظوری کا فیصلہ کرنا اور ان کو زمین پر لاگو کرنا نہ تو ان کو چلانے کے لیے کوئی حد ہے اور نہ ہی وہ ایسا اختیار رکھتے ہیں۔ غریبوں سے تو کسی نے پوچھا تک نہیں ہے کہ آیا وہ ۶۰۰ مرلے کے گھر میں رہنا چاہتے ہیں جو کہ بہت اونچائی پر ہے۔ اور وہ لوگ جو مشترکہ خاندان کے ساتھ رہتے ہیں اور اپنا آنگن ایک دوسرے کے لیے استعمال کرتے ہیں ان کے لیے ایک چھوٹے فلیٹ میں گزارا کرنا مشکل ہے۔

اس بات کو واضح رکھیں کہ یہ شہری منصوبہ کار بہت ساری آبادی کے مخالف نہیں ہیں۔ تسنیم صدیقی اور عارف حسن عمودی ترقی سے ہٹ گئے ہیں۔ ’میں یہ سمجھتا ہوں کہ شہری علاقوں میں مزید آبادی کی بہت ضرورت ہے۔‘ حسن نے کہا۔ کراچی کی کم آمدنی والے رہائشی علاقے میں فی ایکڑ ۶۰۰ لوگ آسکتے ہیں۔ مگر ڈی ایچ اے میں یہ تناسب ۲۰۰ ہے، جہاں پر بہت بڑی آبادی ہے ان علاقوں میں مزید ہجوم ہونے سے مسائل پیدا ہو رہے ہیں اور زیادہ آمدنی والے لوگوں کی توسیع بھی ممکن ہے۔

صدیقی کو کراچی شہر کے مرکز میں چھوٹی عمارتیں بڑی تعداد والے فارمولے پر یقین ہے۔ وہ گرومندر کے قریب مارٹن کوارٹرز کی مثال دیتے ہیں، جہاں پر گھر فقط گراؤنڈ فلور پر ہی محیط ہیں۔ اگر آپ دوبارہ اس کی منصوبہ بندی کریں گے تو آپ دس ہزار خاندانوں کا اضافہ بھی کریں گے۔ آپ کو فقط اتنا کرنا ہے کہ ایک فلور کا اور اس کے ساتھ سیڑھی کا انتظام کرنا ہے اور اس کے علاوہ لائنز ایریا کے برعکس ملٹری بیرکس ہیں جو کہ فلیٹ کے لیے گراؤنڈ پلس فور ہیں۔ اس لیے حکومت اگر واقعی گھروں کے مسائل کو حل کرنا چاہتی ہے تو ان کو ۱۸۵۰ افراد فی ایکڑ پر لانے ہیں، چاہے وہ بڑی آمدنی والے لوگ ہوں یا چھوٹی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ۴۰۰ مرلے کا پلاٹ نہیں بنا سکتے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ۲۰۰۰ مرلے والے محلات بنانے کی اجازت روک دیں۔ جہاں پر فقط پانچ آدمی رہتے ہیں، جیسے آپ ڈی ایچ اے میں دیکھتے ہیں۔

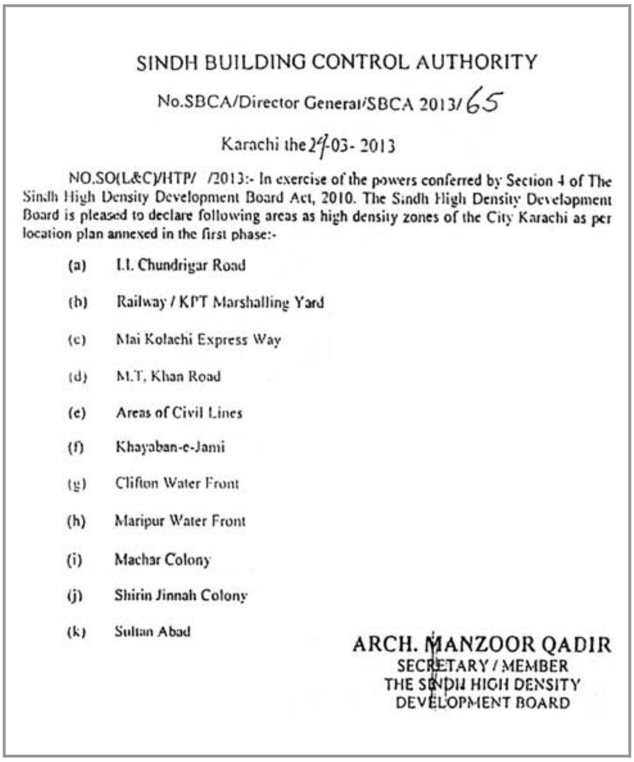

SINDH BUILDING CONTROL AUTHORITY

No.SBCA/Director General/SBCA 2013/65

Karachi the 27-03- 2013

NO.SO(L&C)/HTP/ /2013:- In exercise of the powers conferred by Section 4 of The Sindh High Density Development Board Act, 2010. The Sindh High Density Development Board is pleased to declare following areas as high density zones of the City Karachi as per location plan annexed in the first phase:-

(a) I.I. Chundrigar Road
(b) Railway / KPT Marshalling Yard
(c) Mai Kolachi Express Way
(d) M.T. Khan Road
(e) Areas of Civil Lines
(f) Khayaban-e-Jami
(g) Clifton Water Front
(h) Maripur Water Front
(i) Machar Colony
(j) Shirin Jinnah Colony
(k) Sultan Abad

ARCH. MANZOOR QADIR
SECRETARY / MEMBER
THE SINDH HIGH DENSITY
DEVELOPMENT BOARD

(اس کہانی کا مختصر حصہ نومبر ۲۰۱۴ء کے دی ایکسپریس ٹریبیون میں شائع ہوا تھا)

شہری سرگرمیاں

سندھ ہائی ڈینسٹی ڈیویلپمنٹ بورڈ بل ۲۰۱۰ء پر سیمینار

شہری رپورٹ

۵ جولائی ۲۰۱۴ء کو آئی ای پی آڈیٹوریم میں ہائی ڈینسٹی ایریا اور اونچی اونچی عمارتوں کی تعمیر کے سلسلے میں ایک سیمینار منعقد ہوا۔ اس قانون کو محض چند لوگوں کے حق میں کس قدر غلط استعمال کیا گیا، اس لیے اس کو مکمل طور پر ختم کیا جائے یا اس پر نظرِ ثانی کی جائے۔

سینیٹر تاج حیدر نے کہا کہ سندھ ہائی ڈینسٹی ڈیویلپمنٹ بورڈ ایکٹ ۲۰۱۰ء میں بہت ساری خامیاں ہیں۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ پروفیشنلز کی نمائندگی کو بورڈ میں بڑھا دیا جائے۔ جیسے ہی اس پالیسی پر نظرِ ثانی کی جائے گی یہ سول سوسائٹی کو خود اعتمادی کے قابل بنائے گا۔

انہوں نے کہا کہ شہر کے تعمیراتی ماحول میں مفاد پرستوں نے خوفناک کھیل کھیلا ہے اور رولز اینڈ ریگولیشن کی انحرافی بھی کی گئی ہے۔ انہوں نے اس کا بھی ذکر کیا کہ مناسب فیصلے کرنے کے لیے سیاستدانوں کے پاس محدود علم ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ منسلکہ اداروں میں ایسی پالیسیاں بنائی جائیں جو کہ اپنے کاموں میں ماہر ہیں۔

محترم شعیب احمد صدیقی جو کہ کراچی کے کمشنر ہیں انہوں نے مشورہ دیا کہ انفرااسٹرکچر ڈیویلپمنٹ چارجز وصول کیے جا رہے ہیں جب زمین کی حیثیت رہائشی سے ہٹ کر کمرشل کی جا رہی ہے۔ تا کہ جو فنڈ حاصل کیے جا رہے ہیں وہ انفرااسٹرکچر کو بہتر کرنے میں استعمال کیے جائیں۔

معمار عارف حسن نے کہا کہ شہر کے پرانے علاقوں میں ہائی ڈینسٹی ریگولیشن کے تحت عمارتوں کے منصوبے بنانے کے دوران پرانی عمارتوں کو خاص توجہ دی جانی چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ کراچی، ممبئی اور ڈھاکا بہت زیادہ آبادی والے شہر ہیں اور ان کو بھی انہی مسائل کا سامنا ہے، مگر جب سے کراچی غیر معمولی اور کمزور گورنینس کا شکار ہے، حالات اور بھی زیادہ خراب سے خراب تر

ہوگئے ہیں۔

محترم رولینڈ ڈی سوزا نے کہا کہ اونچی عمارتیں بنانے کی ایک اہم ضرورت ہائی ڈینسٹی قانون کے تحت یہ بھی ہے کہ تشخیصی ماحولیاتی اثرات کی منظوری سندھ انوائرمنٹ پروٹیکشنز ایجنسی سے پراجیکٹ کے لیے ضروری ہے۔ مگر ایجنسی نے اپنا اختیار استعمال نہیں کیا۔ انہوں نے مثال دیتے ہوئے کہا کہ خیابانِ سعدی میں اونچی عمارتوں کی تعمیرات کو مسترد کر دیا گیا اور جب اسی روڈ پر دوسری اونچی عمارات کی تعمیر ہوئی تو سبھی شہریوں اور این جی اوز نے اعتراضات کیے۔ مگر اس کو منظوری مل گئی۔

جناب ڈی سوزا نے کہا کہ سندھ ہائی ڈینسٹی ڈیولپمنٹ بورڈ ایکٹ فقط چند لوگوں کے لیے فائدہ مند ثابت ہوگا، جو کہ مستقل کرنے میں ہے۔ ہمارے پاس جو بھی موجود انفرا اسٹرکچر ہے یہ ہم سب پر بری طرح سے اثر انداز ہوگا۔ انہوں نے مزید کہا کہ کراچی بلڈنگ اور ٹاؤن پلاننگ ریگولیشن ۲۰۰۲ء کی مخالفت نے پلاٹ کی لیز کی شرائطوں کو متضاد بنا دیا ہے، زوننگ ریگولیشن کو تبدیل کر دیا ہے۔ پلاٹ کے تناسب کو بھی تبدیل کر دیا ہے اور پارکنگ اسپیس کی الاؤنسز کو بھی اس نے موجودہ انفرا اسٹرکچر پر بھی کوئی توجہ نہیں دی، جیسا کہ پانی کے کنکشن میں ہے۔

جناب رولینڈ ڈی سوزا نے مزید کہا کہ سندھ ہائی ڈینسٹی ڈیولپمنٹ بورڈ میں اتنی طاقت ہے کہ وہ بڑے علاقوں کو قلم کی ایک ہی چوٹ سے تبدیل کر دے۔ نیا قانون اس بات کی بھی وضاحت نہیں کرتا کہ اونچی عمارت کی تعمیر ہے کیا؟ بورڈ کے پاس آزاد منصوبہ کار بھی نہیں ہیں۔ اس کی سربراہی گورنر، چیئرمین کی حیثیت سے کرتا ہے، وزیرِاعلیٰ بحیثیت کو۔ چیئرمین کرتا ہے اور اس کے ممبرز بھی ہیں جو کہ چیف سیکریٹری، ناظم اور چیف کنٹرولر بلڈنگز بھی ہوتے ہیں۔ ۵ فیصد ایسے امیر لوگ ہیں جو کہ ۹۵ فیصد غریب لوگوں کے خرچ پر منصوبے بناتے ہیں۔ ان بیوروکریٹس میں کوئی بھی ایسا قابل ٹاؤن منصوبہ کار نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ سندھ حکومت نے اونچے درجے کی رکاوٹیں ہٹا دی ہیں جو کہ عمارت کے اردگرد ماحول کو محفوظ رکھتا ہے۔ وہ عمارتیں جو کہ سورج کی تپش اور اونچے درجے کی چھاؤں میں آتی ہے۔ یہ غیر محدود آمیزش اور پلاٹوں کے جوڑنے کی اجازت دیتا ہے۔ پہلے آپ ایک مخصوص سائز کے پلاٹوں کو ملاتے تھے۔ مگر اب آپ تین پلاٹ خرید سکتے ہیں اور ۶۰ منزلہ عمارت بنا سکتے ہیں، اس کے اردگرد کے ماحول سے ہٹ کر۔ یہ 'مارو اور بھاگو' والی صورتِ حال ہے، ڈی سوزا نے کہا۔ بہرحال کچی آبادی کے لوگ وہ لوگ ہیں جو کہ ایسی صورتِ حال میں پہلی فرصت میں ہٹائے جاتے ہیں۔

معمار عارف بلگرامی نے کہا کہ بورڈ کے ممبران کو بہت سارے اختیارات دیئے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ سیاستدان اور حکومتی افسران دونوں کو محدود جانکاری ہے ایسے لوگوں کی تعداد بورڈ میں بڑھی ہے جبکہ ماہرین بہت کم تعداد میں ہیں۔ اس لیے فیصلوں میں ان کی رائے کو بہت کم اہمیت دی جاتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ شہر کی شکل کا فیصلہ وہ لوگ کرتے ہیں جو اس بات کے قابل ہی نہیں ہوتے۔

جناب بلگرامی نے کہا کہ نئے قانون نے پلاٹس کے تناسب کو ہٹا دیا ہے اور عمارت کے سائز ۵ء۵:۱ تا ۸ء۱ سے ۳۰۰۰، تا ۵۰۰۰ مربع اسکوائر گز تک بڑھا دیا ہے اور ۱۲:۱ تک ۵ ہزار اسکوائر مربع گز سے بڑا ہونے کے لیے۔ نیو یارک سٹی میں پلاٹ کا تناسب ۱۵:۱ ہے مگر وہ اس بات کی یقین دہانی کرتے ہیں کہ وہاں پانی، بجلی، پارکس، پارکنگ کی جگہ موجود ہے۔ کراچی میں انفرا اسٹرکچر اور ماحولیات کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ یہ ان کے ساتھ چلتا ہے۔

اگر آپ ایسے علاقے جو ہائی ڈینسٹی زون قرار دیئے گئے ہیں اس کے نقشے کی طرف نظر ڈالیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے زیادہ تر وہ علاقے ہیں جو نہیں لگتا کہ وہ گنجان آبادی میں آئیں گے۔ ان سب علاقوں کو ایک سنجیدہ ماسٹر پلاننگ کے تحت تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ نیا قانون بورڈ کو یہ بھی اجازت دیتا ہے کہ وہ رہائشی علاقوں کو کمرشلائز کریں۔ مگر عوام کو یہ اجازت نہیں ہوگی کہ وہ اعتراض کر سکیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے گھر کے قریب ایک اونچے شاپنگ مال کی عمارت کو کھڑا کیا جائے اور آپ اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ مگر سب سے بدترین یہ ہے کہ معماروں نے یہ محسوس کیا ہے کہ حکومت کے ساتھ کام کرنا کتنا فضول ہے۔

ماحولیات کے پچھلے سیکریٹری میر حسن علی، نورالدین احمد، ڈیرک ڈین، زاہد فاروق، مسعود عالم، انور بلوچ، ثاقب اعجاز، ڈاکٹر رضا گردیزی اور دوسرے معزز مہمانوں نے بھی گفتگو کی۔

کمرشلائزیشن کی خلاف ورزی

زمین کے استعمال کی تبدیلی اور ماسٹر پلاننگ بائی لاز۔۲۰۰۳ء

شہری رپورٹ

PUBLIC NOTICE

CHANGE OF LAND USE OF PLOT NO. 157-M, BLOCK-2, P.E.C.H.S., KARACHI

We, (1) Mr. Mohammad Imran (2) Mr. Shaukat Karim Noorani (3) Mr. Sohail Rehman (Owners) of Plot No. 157-M, Block-2, P.E.C.H.S., Karachi, have applied for change of land use of above plot from Residential to Commercial (Flats, Shops, Offices & Bank) in Union Council 07, Jamshed Town and MPGO. The Union Council No. 07, Jamshed Town and MPGO, are in examining the proposed conversion and its implication on the amenities and infrastructure. Due to this conversion the following changes to the currently applicable lease condition and Zoning Regulations will occur.

CONDITION	CURRENT	CONVERTED
Total Floor area	9000 Sq. ft.	49,500 Sq. ft.
Height of Building and No. of Floors	Open Plot	As per Law/Rules
Compulsory Open Space	As per Law/Rules	Front 8 ft. Arcade; Sides L/R 7ft; Rear 10 ft.
Parking Requirement	As per Law/Rules	As per law/Rules
Usage of Building	Residential	Commercial (Flats, Shops, Offices & Bank)

Any one having objection / comments should file in writing the same within 15 days from the date of Publication of this Notice to Union Council No. 07, Jamshed Town, together with a copy the same to the Master Plan Group of Offices, 9th Floor, Civic Centre, University Road, Gulshan-e-Iqbal, Karachi. Public hearing will be held at Union Council No. 07, Jamshed Town, within 5 days, after expiry of above mentioned 15 days period of extension thereof, which will be attended by the dealing Officer of Master Plan Group of Offices. Those who have filed objection will be called to the public hearing for explaining their point of view.

LOCATION PLAN:

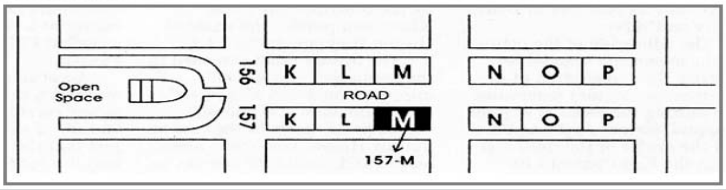

Daily Times: Saturday, December 3, 2011

شہری۔سی بی ای، نے کراچی کے باشندوں کے ساتھ مل کر غیر قانونی اور ایڈ ہاک طریقہ کار کو چیلنج کیا ہے جس کو ماسٹر پلان ڈپارٹمنٹ/ کے ایم سی مستقل بنیادوں پر ان لوگوں کے لیے کر رہا ہے جن کے پلاٹ غیر تجارتی، غیر اعلانیہ طور پر ۴۰ فٹ چوڑے روڈ پر واقع ہیں۔

سندھ لوکل گورنمنٹ آرڈی نینس۔۲۰۰۱ء کی شق ۴۰۔اے جو کہ ساقط (Defunct) ہو چکی ہے۔ ماسٹر پلانز، زوننگ لینڈ یوز پلان بشمول کلاسیفکیشن اور ری کلاسیفکیشن آف لینڈ، انوائرمینٹل کنٹرول، شہری ڈیزائننگ، اربن رینول اور ایکولوجیکل بیلنسز کو چلانے کی منظوری، یہ سب سٹی ڈسٹرکٹ کاؤنسل کے کام ہیں۔ SLGO۔۲۰۰۱ کے سیکشن ۱۹۲ کے تحت یہ کہا گیا تھا کہ ضلع کاؤنسل، تعلقہ کاؤنسل، ٹاؤن کاؤنسل اور یونین کاؤنسل اپنی ذمہ داریوں کی حد میں رہتے ہوئے اس SLGO۔۲۰۰۱ کے مقصد کے لیے قانون سازی کرسکتی ہیں۔ بشمول تمام معاملات کے اور جو بھی دوسرے حصے کے پانچویں شیڈول میں دیئے گئے ہیں۔ SLGO۔۲۰۰۱ کے سیکشن ۱۹۲، جس کو آئٹم نمبر ۳ کے ساتھ پڑھا جائے (جو کہ زوننگ ماسٹر پلاننگ اور بلڈنگز ہے) جو کہ شیڈول V، پارٹ SLGO II آرڈی نینس ۲۰۰۱ء، چینج آف لینڈ یوز اور ماسٹر پلاننگ بائی لاز ۲۰۰۳ء جو کہ سٹی ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کراچی نے منظور کیے تھے۔ جس کا ریگولیشن نمبر ۳۸۳ اور تاریخ ۲۰۰۴-۱-۶ ہے جبکہ اس کو سٹی ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کراچی نے سندھ گزیٹ میں ۲۰۰۴-۲-۱۲ کو شائع کیا تھا۔ اس زمین کو استعمال کرسکنے کی منظور شدہ پالیسی کا مقصد منصوبہ بندی اور ایک دوسرے کے ساتھ ڈیویلپمنٹ میں معاونت کرنے کا ہے، مناسب تجارتی ایریا کی فراہمی، شہر کی تجارتی مانگ کو پورا کرنے کے لیے بڑی سڑکوں جو کہ ۱۰۰ فٹ چوڑی ہوں ان کی ضرورت کو نظر میں رکھنا ہے۔

اس دیباچے میں اس بات کا ذکر ہے کہ زمین کے استعمال کی تبدیلی کی اجازت ۱۰۰ فٹ سے کم چوڑی سڑکوں پر نہیں ہے۔ جیسا کہ ذیل میں پیش کیا گیا ہے:

'منظور شدہ تجارتی علاقہ جات کے علاوہ ۱۰۰ فٹ سے کم چوڑائی والی سڑکوں پر تبدیلی استعمال اراضی کی اجازت نہ ہوگی'

اس قانون کو عمل میں لانے کے بعد SLGO۔۲۰۰۱ کو منسوخ کیا گیا اور اسی دوران سندھ لوکل گورنمنٹ آرڈی نینس ۱۹۷۹ء، SLGO۔۱۹۷۹ کو دوبارہ زندہ کیا گیا۔ SLGO۔۲۰۰۱ کی منسوخی کے بعد سٹی ڈسٹرکٹ

گورنمنٹ کا وجود ختم ہوگیا اور کے ایم سی کا قیام عمل میں لایا گیا اور سٹی ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کا تصور کیا جانے والا کام اس کا حصہ ہونے کے واسطے، اس نے MPGO کے اختیارات کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ بشمول زمین کی دوبارہ درجہ بندی کرنا۔ اگرچہ ۱۹۷۹۔SLGO ان کو اختیارات اور اتھارٹی اسی طرزِعمل کے جس طرح کے سٹی ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کراچی کو ۲۰۰۱۔SLGO کے تحت ہوتے تھے۔ موجودہ سندھ لوکل گورنمنٹ ایکٹ۔۲۰۱۳ء (The SLGO 2013) اس کو بھی کے ایم سی میں اتنے اختیارات نہیں ہیں۔ جیسا کہ کے ایم سی کو بنیادی قانونی اختیارات میں کمی ہے کہ وہ زمین کے استعمال میں تبدیلی کی پالیسی کرسکے۔ جو کہ بائی لاز اور اس کے علاوہ جو بھی ہوں۔ اس کے علاوہ میرٹ پر بھی اس پر توجہ کی ضرورت ہے کہ جو بھی زمین کی تبدیلی کے استعمال کا طریقہ کار ہے جس میں رہائشی سے لے کر تجارتی علاقے تک جو بھی قانون کی ضرورت ہیں، وہ یہ کہتا ہے کہ 'ایک رہائشی سڑک، پہلے تو اچھی طرح اس کا سروے کیا جائے اور تجارتی حوالے سے استعمال کرنے سے پہلے اس پر غور کیا جائے۔' عوام کو تسلی بخش حد تک سنا جائے اور عوامی اعتراضات علاقے کے ماسٹر پلاننگ سے پہلے سنے جائیں جو کہ اہمیت کے حامل ہیں لیکن وہ کمرشلائزیشن کی حد تک محدود ہیں وہ عوام کے سڑکوں اور پلاٹوں کی زمین کے استعمال کی حد تک ہیں۔ ایسی عوامی سماعت ہونا ضروری ہے کہ اس میں عوامی اعتراضات کو مناسب حد تک سنا جائے اور اسے تحریری طور پر محفوظ کیا جائے۔ یہ بات اہم ہے مگر انفراسٹرکچر کی بہتری، یوٹیلیٹیز اور دیگر متعلقہ مسائل جو کہ زمین کے استعمال کی تبدیلی سے متعلق ہیں ان کی حد تک محدود ہیں۔ بنیادی طور پر مردم شماری میں جو اضافہ ہوا ہے۔ اس مشق کا ظاہری مقصد یہ ہے کہ ایک با مقصد اور عقلی غور و فکر کی جائے تا کہ وہ خاص کر سڑکوں کے لیے مناسب ہو جو کہ تجارتی مقاصد کے لیے کھولی جائیں گی۔ SLGO اور بائی لاز کی ضروریات سے ہٹ کر یہ بھی ضروری ہے کہ پاکستان انوائرمنٹ پروٹیکشن ایکٹ ۱۹۹۷ء کے قانون کو شامل کیا جائے اور انوائرمنٹ امپیکٹ اسسمنٹ (EIA) کا انعقاد، سیکشن۔۱۲ جس کو سب سیکشن (XXXV) کی بجا آوری کی مد میں کیا جائے، اگر تمام معاملات کو اچھی طرح نظرِ ثانی کیے جانے کے بعد اور ضروری ماحولیاتی منظوری جو کہ جلد آنی ہے اور مجاز اتھارٹی اپنی رائے دیتی ہے تو پھر سڑک کو تجارتی سڑک قرار دی جائے۔

بائی لاز کے مطابق تمام طریقہ کار ان حالات کے ماتحت ہیں۔ ایک سڑک جو کہ ۱۰۰ فٹ چوڑی ہے اس پر غور کیا جائے گا، تا کہ اس کی تجارتی طور پر دوبارہ درجہ بندی کی جائے۔ (ضلعی حکومت کے دائرہ اختیار میں باقی جتنی بھی سڑکیں ۱۰۰ فٹ سے چوڑی ہیں، ان کو ضروری منصوبہ بندی کے بعد تجارتی بنایا جائے گا، اور زمین کے استعمال کی تبدیلی کرنے والے کمیشن اور کاؤنسل کی اجازت کے بعد کیا جائے گا۔ یہ مختلف مرحلوں میں کیا جائے گا، جیسے پہلی جولائی ۲۰۰۴ء سے آگے تک)۔

زمین کی تبدیلی کے استعمال کے قانون کے تحت کراچی میں ۱۷ بڑی سڑکوں کو زمین کی تبدیلی کے استعمال کے لیے کھولا گیا ہے (تجارتی مقاصد کے لیے) جس کی سٹی کاؤنسل/ کے ایم سی سے منظوری لی گئی ہے۔ ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ شاہراہ فیصل (میٹروپول ہوٹل سے ملیر پل تک)۔
۲۔ طارق روڈ (اللہ والی چورنگی سے بہادر آباد کے تجارتی علاقے تک) اور سندھی مسلم سوسائٹی سے لے کر شاہراہ فیصل تک (کیپٹن فرید بخاری روڈ)
۳۔ راشد منہاس روڈ نمبر۱۶، ۲۴ اور ۳۶ (ڈرائیوان سینما سے شفیق موڑ تک)
۴۔ یونیورسٹی روڈ، اسکیم نمبر۲۴ اور ۳۶ (سوک سینٹر سے صفورا چورنگی تک)
۵۔ شاہراہ پاکستان، اسکیم نمبر۱۶ (تین ہٹی سے سہراب گوٹھ تک)
۶۔ ناظم آباد 'A' روڈ (لسبیلہ پل سے سرکولر ریلوے لائن، بائیں طرف)
۷۔ نارتھ ناظم آباد ۳۰۰ فٹ چوڑی شاہراہ شیر شاہ سوری (بورڈ آفس چورنگی سے سخی حسن چورنگی، دونوں اطراف)
۸۔ نارتھ ناظم آباد (شاہراہ جہانگیر)
۹۔ خیابانِ اقبال، (کلفٹن روڈ پل سے دو تلوار تک)

۱۰۔ خیابانِ جامی (پلاٹ نمبر ST-10 سے ST-13 مقابل ST-12 سے ST-13)
۱۱۔ خالد بن ولید روڈ (پلاٹ نمبر 107-K سے 168-G سے لے کر چرچ تک)
۱۲۔ جمال الدین افغانی روڈ (ٹی وی اسٹیشن سے پلاٹ نمبر۱، دونوں اطراف شہیدِ ملت روڈ تک)
۱۳۔ علامہ اقبال روڈ، پی ای سی ایچ ایس (کشمیر روڈ سے جہیل پارک تک، دونوں اطراف)
۱۴۔ سر سیّد احمد روڈ، پی ای سی ایچ ایس (طارق روڈ سے خالد بن ولید روڈ تک، دونوں اطراف)
۱۵۔ شہیدِ ملت روڈ، پی ای سی ایچ ایس (حیدر علی روڈ سے جیل چورنگی تک)
۱۶۔ چوہدری خلیق الزماں روڈ، بلاک ۸ اور ۹ (عسکری مارکیٹ سے چوہدری خلیق الزماں کالونی تک)
۱۷۔ بیچ ایوینیو روڈ (درخشاں تھانے سے کیسینو چورنگی تک)

ایک بار اگر ان سڑکوں کی قانونی طور پر درجہ بندی کی جائے اور ان کو تجارتی سڑکوں کا درجہ دیا جائے جو کہ زمین کے استعمال کی تبدیلی کے لیے کھلنی چاہئیں، اور ایک پراپرٹی کا مالک جو کہ یہ خواہش ظاہر کرتا ہے کہ وہ دوبارہ درجہ بندی سے فائدہ اٹھائے گا، تو اس کو بائی لاز کے آرٹیکل ۳ کے طریقہ کار کو اپنانا پڑے گا۔ بہر کیف سٹی ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کے تحت یہ غیر منظم تجارتی طریقہ نے لے لی ہے، جہاں لوگوں کے پلاٹ جو کہ غیر تجارتی ایریا میں موجود ہیں (وہ سڑکیں جو کہ تجارتی مقصد کے لیے نہیں کھولی گئی ہیں جن کا اعلان نہیں ہوا ہے) اور ایسے پلاٹوں کے معاملات میں جو کہ ان سڑکوں پر واقع ہیں جن کی چوڑائی ۱۰۰ افٹ سے کم ہے، اور وہ ۴۰ فٹ کی بھی چوڑائی سے کم ہیں۔ بہر کیف ان کو اپنی مرضی سے تجارتی مقصد کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ یہ انتخابی تجارتی کام بار بار ہوا، حالانکہ اس کے طریقہ کار کو مختلف معزز عدالتوں میں بہت سارے کیسوں میں چیلنج کیا گیا، اور مدعہ علیہ نمبر۱ کی طرف سے ان کیسوں کی دیکھ بھال کی گئی جس نے سڑکوں اور پلاٹوں کو تجارتی مقصد کے لیے استعمال کیا۔ حالانکہ اس کو اس معاملے میں کوئی اختیار اور اتھارٹی نہیں تھی اور بائی لاز اور PEPA کو شامل کیے بغیر۔ بائی لاز کے مطابق مزید دوسری سڑکوں پر زمین کے استعمال کی تبدیلی کے لیے غور کیا جائے گا، اگر سڑک ۱۰۰ افٹ چوڑی ہے اور وہ بھی مناسب سروے اور پلاننگ کے بعد اور EIA مکمل کیا گیا ہو۔ سروے اور پلاننگ انفرااسٹرکچر کی ذمہ داری لے گی، پیدل چلنے والوں کی تعداد اور ٹریفک کے ذریعے منتقل ہونے والے مسائل کو حل کرنے کی حیثیت سے ان قوانین کا مقصد کاروباری طریقہ کار کا قائم ہونا اور کسی بھی حکومتی اداروں کے اختیارات کو ختم کرنا اور سیاسی حکمرانوں پر دباؤ کو وقتی طور پر تجارت کے لیے ظاہر کرنا ہے۔ بہر کیف یہ بات محسوس کی گئی ہے کہ منظور شدہ قوانین کو غلط استعمال کیا جاتا ہے۔ نہ فقط غیر واضح تجارتی سڑکوں، غیر مناسب قانون سازی اور قانونی طریقہ کار کو تجارتی بنایا جاتا ہے، مگر نہ فقط پلاٹس اور چھوٹی سڑکوں (۱۰۰ افٹ چوڑی/ غیر اعلانیہ سڑکیں) کو زمین کے استعمال کی تبدیلی کے لیے منظور کیا جا رہا ہے، مگر وہ تسلیم بھی کیے جا رہے ہیں۔

ان منظور شدہ بائی لاز کا غلط استعمال رہائشی علاقوں پر بری طرح اثر انداز ہوا ہے۔ اس سلسلے میں حد سے زیادہ انفرااسٹرکچر پر وزن، ٹریفک کا دباؤ اور رہائشی ماحول کو خراب کر رہا ہے اور شہریوں کے مسائل بڑھتے جا رہے ہیں۔ اس غلط استعمال کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

الف: غیر تجارتی سڑکوں کو تجارتی سڑکوں میں تبدیل کر دینا، بغیر کسی قانونی طریقہ کار کو عمل میں لائے ہوئے، جیسے ان سب کا ذکر بائی لاز میں کیا گیا ہے:

۱۔ خیابانِ سعدی
۲۔ خیابانِ رومی
۳۔ نشتر روڈ (دھوراجی روڈ)
۴۔ عالمگیر روڈ
۵۔ شاہراہِ نور جہاں
۶۔ سر سیّد احمد روڈ، پی ای سی ایچ ایس (خالد بن ولید روڈ سے کشمیر روڈ تک دونوں اطراف)
۷۔ ٹیپو سلطان روڈ (شاہراہِ فیصل سے شہید ملت سگنل)
۸۔ نارتھ کراچی روڈ مغربی حصہ (ناگن چورنگی سے پاور ہاؤس چورنگی تک)
۹۔ اسٹیڈیم روڈ جنوبی حصہ (پلاٹ نمبر F-14 سے F-17 اور پلاٹ نمبر F-18 سے F-22، داؤد کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی، کے ڈی اے اسکیم ۷)

ب: جو رہائشی پلاٹ ۶۰۔۴۰ فٹ چوڑائی والی سڑک پر ہیں، ان کی زمین کی تبدیلی کا استعمال۔

ج: ایسے رہائشی پلاٹ جوکہ کمرشل/تجارتی سڑکوں پر واقع ہیں ان کی زمین کے استعمال کی تبدیلی، مگر ان کو رہائشی پلاٹوں جوکہ ۶۰۔۴۰ فٹ (۱۰۰فٹ غیر اعلانیہ سڑکوں پر واقع ہیں)

FAR (فلور ایریا ریشو) جوکہ ۱:۵.۵ اسے بڑھا کے ۱:9.5 کر دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں اطراف کے علاقے تباہ ہوگئے، کیونکہ ۶۰۔۴۰ فٹ چوڑے روڈ پر اس پلاٹ کو تجارتی نقطہ نگاہ سے بنایا گیا تھا۔ مگر سامنے والی سڑک کو بھی FAR 1:9.5 کے تحت

مزید غیر اعلانیہ غیر تجارتی روڈ جوکہ پالیسی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے مترادف ہے۔ جوکہ پلاٹ کو دونوں اطراف، آگے یا پیچھے سے داخل ہونے کا ہے۔ اس کو تجارتی مصرف نے تباہ کر دیا ہے اور پی ای

40-60 Feet non declared roads

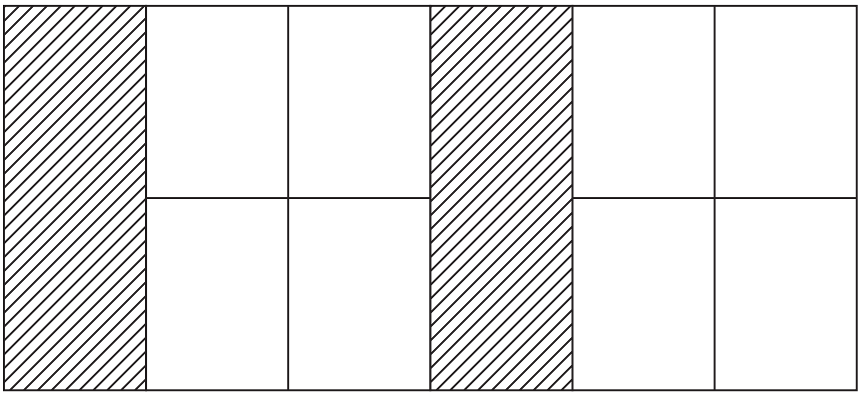

100 Feet declared Road

اوپر دیا گیا خاکہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ کیسے رہائشی پلاٹ کم چوڑائی والی سڑکوں پر واقع ہیں جوکہ ۱۰۰فٹ سے کم (غیر اعلانیہ) سڑکیں ہیں۔ ان کو تجارتی بنایا جارہا ہے، جوکہ منظور شدہ پالیسی، اصولوں اور گائیڈ لائن جوکہ زمین کے استعمال کی پابندی اور ماسٹر پلاننگ ۲۰۰۳ء کی خلاف ورزی ہے۔ ایک بار اگر رہائشی پلاٹ جوکہ ۶۰۔۴۰ فٹ چوڑی سڑک پر واقع ہیں، ان پلاٹوں کے ساتھ شامل کیا گیا ہے جوکہ اعلانیہ تجارتی روڈ ہے، تجارت کی اجازت دے دی گئی ہے جوکہ پچھلے حصے میں واقع ہیں، جیسے بیسمنٹ + گراؤنڈ + پہلے مرحلے پر اور اوپر والے حصے پر پارکنگ۔ بہرحال بچے ہوئے FAR کے پچھلے حصے کا پلاٹ جوکہ (۱:۵.۵) سے الگ حصے سے ملاکر، جوکہ اعلانیہ تجارتی سڑک پر واقع ہے اس لیے یہ مناسب

دیتے ہوئے اس کو تباہ کیا گیا، جوکہ ۱:۵.۵ کے ریگولیشن کے مترادف ہے۔ اس لیے ایک خطرناک مصیبت تجارتی پلاٹ کے اگلے حصے سے کھڑی ہوگئی۔ پلاٹ کے اگلے اور پیچھے حصوں کی ایک شاندار مثال یہ بھی ہے کہ پلاٹ نمبر ۱۵۹۔آر، بلاک۔۳، پی ای سی ایچ ایس جوکہ شہید ملت روڈ اور کشمیر روڈ پر واقع ہے۔

د: زمین کے استعمال کی تبدیلی رہائشی پلاٹس کے لیے جوکہ ۱۰۰فٹ چوڑے روڈ پر واقع ہے جو غیر اعلانیہ سڑک ہے۔ اس پلاٹ پر داخل ہونے کی اجازت آیا وہ ۴۰فٹ چوڑے روڈ سے ہو یا ۲۰فٹ چوڑے سروس روڈ سے ہو یا ۱۰۰فٹ غیر تجارتی، غیر اعلانیہ روڈ پر ہو۔ اس پر ۴۰فٹ چوڑے روڈ پر داخلے کا غلط استعمال اور

سی ایچ ایس میں ۲۰فٹ کے سروس روڈ پر داخلے کی اجازت جہاں سروس لین میں پانی کی لائین، سیوریج لائن، گیس اور ٹیلی فون کی لائینیں، جن پر ٹریفک گزرتی ہو تو ان کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ جن کی آسانی سے مرمت نہیں کی جاسکتی، جس کی بڑی وجہ کاروں کی پارکنگ ہے۔ مزید یہ کہ ۲۰فٹ چوڑی سروس روڈ کے معنی ہرگز یہ نہیں ہیں کہ آپ وہاں سے کراچی بلڈنگ اور ٹاؤن پلاننگ ریگولیشن ۲۰۰۲ء کے مطابق ہیوی ٹریفک کو گزرنے کی اجازت دے دیں۔ ایسی سروس روڈ/گلیاں فقط پیدل چلنے والے افراد اور یوٹیلیٹیز کی فراہمی کے لیے ہوتی ہیں۔ مگر بلڈر اپنے فائدے کے لیے سڑکوں اور ایسے علاقے

کو استعمال کرتا ہے۔ اسی طرح شہر کی منظور شدہ تجارتی پالیسی (چینج آف لینڈ اور ماسٹر پلاننگ بائی لاز ۲۰۰۳ء) کو غلط استعمال کیا جاتا ہے، جو کہ گائیڈنگ اصولوں کی بنیادی قدروں اور کسی بھی شہری پلاننگ کی خلاف ورزی ہے۔

شہری-سی بی ای اور متعلقہ شہری اس بات میں دلچسپی لیتے ہیں کہ شہر کی ماسٹر پلاننگ اور زمین کے استعمال میں کسی بھی قسم کی تبدیلی اور دوبارہ درجہ بندی جو کہ ہوتی رہتی ہیں وہ قانون کے مطابق ہے اور اس بات پر وہ مطمئن ہوتے ہیں کہ یہ صاف شفاف، عوام کے فائدے میں اچھے طریقے سے ہوتا ہے۔

شہری نے معزز عدالت کے سامنے جو جوابِ دعویٰ (Plea) لیا ہے وہ یہ ہے:

- یہ واضح کیا جائے کہ کے ایم سی ماسٹر پلان اداروں کے پاس اختیارات کی کمی ہے، جو کہ کسی بھی تجارتی کام کی ذمہ داری لے سکے اور زمین کے استعمال کی تبدیلی کی کسی بھی قسم کی درخواست کی سنوائی کرے، جو کہ کمرشلائزیشن پالیسی گزیٹ ۲۰۰۴-۲-۱۲ کے مطابق نہیں ہے۔
- واضح کریں کہ بائی لاز کے قوانین کے مطابق ایک سڑک کو فقط اس وقت تک تصور کیا جاتا ہے جب وہ تجارتی مقصد کے لیے استعمال ہوتی ہو، اگر وہ ۱۰۰ فٹ کی چوڑائی میں موجود ہے اور ان کو ایک طریقہ کار کو اپنانے کے بعد ان کو تجارتی روڈ کی حیثیت دی گئی ہو۔
- یہ واضح کریں کہ بائی لاز کے مطابق کسی بھی رہائشی پلاٹ کو کمرشل پلاٹ پر زمین کی تبدیلی کے استعمال کے لیے وہ تب ہوگا جب وہ روڈ جہاں پر وہ پلاٹ واقع ہے اس کی چوڑائی ۱۰۰ فٹ سے اوپر ہو اور اس کو پہلے ہی تجارتی مقصد کے لیے واضح اعلان کیا گیا تھا۔
- یہ واضح کریں کہ اعلانیہ تجارتی سڑک پر واقع رہائشی مکان کے استعمال کی تبدیلی کی اجازت دینے کو مگر ان کو پچھلے پلاٹ کے ساتھ ملایا جائے جو کہ ۶۰-۴۰ فٹ (۱۰۰ فٹ سے کم ہو) غیر قانونی قرار دیا جائے۔ فقط وہ اصلی پلاٹ جو کہ واضح تجارتی سڑکوں پر واقع ہیں ان کو زمین کے استعمال کی تبدیلی کے لیے تصور کیا جائے۔
- واضح کریں کہ کار ریمپ/کار اوپننگ اور آرکیڈ دکانیں، تجارتی مراکز، ان کو ۴۰-۲۰ فٹ کی گلیوں میں کھولنے کی اجازت نہ دی جائے اور ۱۰۰ فٹ رہائشی سائیڈ کی گلیوں کو بھی، جو کہ رہائشی علاقوں کے لیے خطرناک ہوگا بلکہ وہ یوٹیلیٹی لائنوں کو بھی تباہ کر دے گا۔
- یہ واضح کریں کہ اعلانیہ تجارتی روڈ کو رہائشی روڈ کی اجازت دینے سے پہلے اور اس کو کمرشلائزیشن کے لیے کھولنے سے پہلے اس کا مکمل طور پر گہرائی سے سروے کیا جائے اور PEPA کے سیکشن-۱۲ کے تحت EIA بھی منعقد ہونا چاہیے۔
- یہ واضح کریں کہ اگر سڑک کی دوبارہ درجہ بندی اچھی طرح کی گئی ہے اور اس کو تجارتی طور پر واضح کیا گیا ہے، جو کہ زمین کے استعمال کی تبدیلی کے لیے ہے اور مالک مکان اس نئی درجہ بندی کا فائدہ اٹھانا چاہتا ہے، وہ بھی بائی لاز کے آرٹیکل ۳ کے تحت طریقہ کار کو عمل میں لائے۔
- یہ واضح کریں کہ ضروری یوٹیلیٹی اور سماجی انفرااسٹرکچر کے بڑھنے کی وجہ سے جو بھی قانون سازی ہے وہ رہائشی سڑک کے لیے ضروری نہیں۔
- یہ واضح کریں کہ عوامی شنوائی کو مکمل انصاف کے ساتھ اور عوامی اعتراضات کی اہمیت کے کسی بھی علاقے کے ماسٹر پلان میں تبدیلی لانے سے پہلے نظر میں رکھا جائے۔
- ایسی عوامی شنوائی کو اچھی طرح سے عوامی اعتراضات کے مدِنظر رکھا جائے اور وہ پورے انصاف کے ساتھ ہوں، تحریری انداز میں ہوں، مگر وہ انفرااسٹرکچر، یوٹیلیٹیز اور دوسری متعلقہ چیزیں، جیسے زمین کے استعمال کی تبدیلی وغیرہ۔ بنیادی طور پر وہ آبادی کے بڑھ جانے سے بڑھ گئی ہیں۔
- مستقل طور پر کے ایم سی/ماسٹر پلان کو ذمہ داری اٹھانے اور زمین کے استعمال کی تبدیلی سے روک دیا جائے، جو کہ کمرشلائزیشن پالیسی کے مطابق نہیں ہیں۔
- جتنے بھی فنڈز سیکشن ۴ اور ۶ کے تحت اکٹھے کیے جاتے ہیں ان کو پالیسی کے تحت سیکشن ۴-۸ کے مطابق تقسیم کیا جانا چاہیے۔

سندھ ہائی کورٹ کی آئینی درخواست نمبر ۴۴۸۵/۲۰۱۴ کے حکم کے مطابق بتاریخ ۳ ستمبر ۲۰۱۴ء میں سندھ بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی اور ماسٹر پلان کو یہ ہدایات دی گئی ہیں کہ بائی لاز کے مطابق سختی سے کمرشلائزیشن کی اجازت دی جائے۔

شہری سرگرمیاں

’چارجڈ پارکنگ‘ پاکستان کے تحفظ کا ایک مسئلہ

شہری رپورٹ

پاکستان میں بحث مباحثوں کو ایک نظریہ تصور کے ساتھ جانچا جاتا ہے۔ وہ ہے قوم کی محافظ پولیس جو آپ کی ایف آئی آر درج نہیں کرے گی۔ ملک کے نازک نظام کو ممکن ہے آپ سے خطرہ ہو۔ آپ کے نلوں میں پانی نہیں۔ وہ قوم کے تحفظ کے ایک اونچے مقصد کی خدمت کرتا ہو، کبھی کبھی غیر متعلقہ کاموں کے درمیان جو تعلقات ہوتے ہیں، ان کی تشریح کی جاتی ہے، مگر دوسری جانب وہ تصور سے بھی دور ہوتے ہیں۔

شہری۔سی بی ای نے سال کے شروعات میں کراچی کنٹونمنٹ بورڈ کے ایگزیکٹو آفیسر کو فیڈرل فریڈم آف انفارمیشن آرڈیننس ۲۰۰۲ء کے تحت واضح ریٹس اور کراچی کنٹونمنٹ بورڈ چارجڈ پارکنگ کے علاقے کے بارے میں لکھا تھا۔ مگر ان کا کیس دنوں کے دوران کوئی جواب نہیں آیا۔

شہری۔سی بی ای، نے ایف او آئی (FOI) قانون کے تحت ایک فریاد وفاقی محتسبِ اعلیٰ کے پاس اس حوالے سے داخل کی کہ کنٹونمنٹ بورڈ کے ایگزیکٹو آفیسر نے کوئی اطلاع نہیں دی۔ پھر ہم صبر کے ساتھ انتظار کرنے لگے۔ مگر جو جواب آیا اس نے ہمیں حیران کر دیا۔ ہم کو بتایا گیا کہ وفاقی محتسبِ اعلیٰ ہماری شکایت درج نہیں کر سکتی، کیونکہ یہ مسئلہ پاکستان کی سلامتی کا ہے۔

کیا آپ کو چارجڈ پارکنگ اور پاکستان کی سلامتی کے حوالے سے کوئی مشترکہ تعلقات نظر آتے ہیں؟ اگر آپ کو کوئی ایک بھی نظر آجائے تو برائے کرم آپ ہم سے رابطے میں رہیے گا۔

facebook.com/shehri.citizens

or twitter.com/shehricbe

اس معاملے میں FOI قانون کی ناکامی محدود نہیں ہے، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ محتسبِ اعلیٰ نے کوئی بھی کارروائی نہیں کی۔ یہ پورے نظام کی ناکامی ہے۔ نام نہاد چیک اینڈ بیلنس میکنزم جو کہ قانون نے مہیا کیا ہے وہ کتنے شرم کی بات ہے۔ عوامی تنظیمیں رولز کو فالو نہیں کرتیں، جب ان سے سوالات کیے جاتے ہیں، ہر چیز کو خارج کیا جاتا ہے، یہ کہہ کر کہ ’پاکستان کی سلامتی کا معاملہ ہے۔ افسوس سے ہم یہ بتا نہیں سکتے‘۔

شہری۔سی بی ای

کراچی

نثار بلوچ۔موت سے چند گھنٹے پہلے

نوید حسین

سال ۱۹۹۰ء کے درمیان، قومی اخباروں میں ایک اشتہار شایع ہوا تھا، کراچی کے ایک بڑے علاقے میں پارک کو معمولی رقم کی خاطر فروخت کردیا گیا۔ اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ یہ کام تین دنوں کے اندر ہوا۔ ہمارے قارئین کی طرح میں اس ملک کو سچے دل سے تسلیم کرتا ہوں، جس نے مزید ترقی کی جب میں خود کو ایک معمار کی حیثیت سے دیکھتا ہوں۔ میں اپنے شہر کے لیے کچھ کرنا چاہتا تھا۔ مزید یہ کہ ایک غیر منافع بخش تنظیم کی حیثیت سے، اس نے میرے اس کام کو میرے فرائض میں شامل کردیا۔ میں نے ٹرانس لیاری پارک کا دورہ کیا (جس کو گٹر باغیچہ اردو اور سندھی میں کہا جاتا ہے) جس میں دو سیوریج پلان موجود ہیں۔

میں جیسے ہی پارک کے اردگرد گھومنے گیا، میری ملاقات نثار بلوچ سے ہوگئی جو کہ وہاں کا مقامی آدمی تھا وہ یہ سمجھتا تھا کہ یہ پارک ان کی کمیونٹی کا ہے۔ وہ نسلوں سے وہاں کے رہائشی ہیں۔ نثار پرائمری اسکول بھی چلاتا تھا۔ لوگوں کی خدمت کرتا تھا۔ اور مقامی سیاست میں بھی حصہ لیتا تھا۔ ہم نے اس سے بات کی کہ اس پارک کو کیسے بچایا جائے۔ میں نے سوچا کہ ہم ہائی کورٹ کو ایک ٹیلیگراف کردیں تاکہ وہ لوکل گورنمنٹ کو اس پارک کی فروخت سے روکے اور اسٹے آرڈر جاری کردے۔ وقت بہت کم تھا اور ہمارے پاس کوئی وکیل بھی نہیں تھا جو کہ ہماری مدد کرتا۔ بہرحال سندھ ہائی کورٹ نے ہمیں ’اسٹے آرڈر‘ دے دیا۔ اور ہمیں کہا کہ آپ جلدی کسی وکیل کا بندوبست کرلیں۔ جو کہ بعد میں ہم نے کرلیا اور وہاں سے جھگڑا شروع ہوا۔

سال گزرتے گئے، بہت ساری زمین پر غیر قانونی طور پر قبضہ کیا گیا، تعمیرات کی گئیں اور فروخت کی گئیں۔ نثار اور مقامی باشندے اس سلسلے میں کچھ نہیں کر پائے کیونکہ ان کی پشت پناہی بہت طاقتور لوگ کر رہے تھے۔ وہ اکثر ہمارے دفتر آتا تھا اور کچھ نئی اطلاعات بھی لاتا تھا۔ جب کہ مقامی اخبارات اس سارے غیر قانونی معاملے کو بڑھتے نہیں دیکھ رہے تھے بلکہ آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی۔

اسی دوران نثار لیاری میں آہستہ آہستہ اپنا پروفائل بنانے میں کامیاب ہوگیا۔ وہ لیبر یونین ورکرز کی خبروں، سرکاری افسروں اور چھوٹی انڈسٹری کے مالکان جو کہ غیر قانونی تعمیرات پارک پر بنا رہے تھے، اکٹھا کرتے تھے۔ ان لوگوں نے اربوں کھربوں روپے کی مالیت کی زمین پر قبضہ کیا ہوا تھا۔ اس مافیا کی طاقت پر غور کرتے ہوئے میں نے ان کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی جان کی حفاظت کے لیے کچھ انتظامات کریں۔ میرے اس مشورے پر عمل کرتے ہوئے انہوں نے ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان سے رابطہ کیا، جہاں پر اقبال حیدر نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ ان کی اس کام میں مدد کریں گے۔

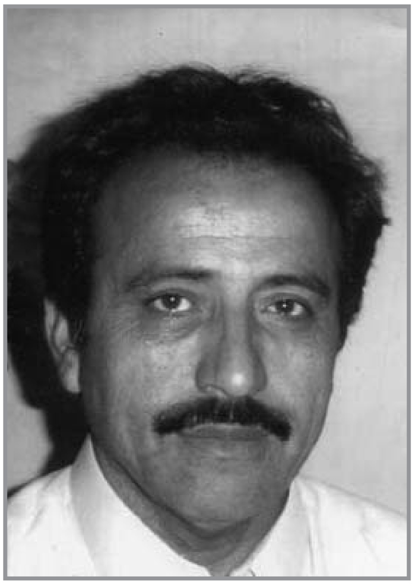

۱۹۹۰ء کی دہائی میں کراچی کے مقامی الیکشن کی بات چلی، جس میں نثار نے پریذائیڈنگ آفیسر کی حیثیت سے کام کیا۔ وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ مقامی الیکشن کیسے ہوتے ہیں۔ الیکشن کے دنوں میں چند افراد اپنا ووٹ دینے آئے۔ ایک صوبائی وزیر وہاں گیا تاکہ وہ معلوم کرسکے کہ کیا ہوا ہے۔ نثار نے ان کو بتایا کہ محض چند ووٹ پڑے ہیں۔ وہ وزیر غصے میں آکر ووٹروں اور انتظامیہ کو برا بھلا کہنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد چار افراد پتہ نہیں کہاں سے آئے اور اپنا غیر قانونی ووٹ دینے لگے۔ نثار نے اس دھاندلی پر اعتراض کیا مگر طاقت نے اپنا اثر دکھایا۔

کافی سالوں کے بعد، ۲۰۰۸ء میں ایک ٹی وی پروڈیوسر ٹرانس لیاری پارک کی اسٹوری بنانے کے لیے نثار کو اس پارک میں اپنے ساتھ لے گئے۔ وہاں پر ایسی جگہ بھی تھی جہاں پر نثار نے اس کو خبردار کیا کہ اگر ہم یہاں سے آگے

بڑھے تو ہم بے دردی سے مارے جائیں گے، کیونکہ وہ خطرناک علاقہ ہے۔ اس نے ایک حادثے کا حوالہ دیا جو کہ چند ماہ پہلے رونما ہوا تھا۔ ہائی کورٹ کا ناظر پارک کو دیکھنے کے لیے آیا اور اس کو ایک گروہ جو کہ AK47 جیسے ہتھیاروں سے لیس تھا انہوں نے اس سے واپس چلے جانے کا کہا۔

اس کے بعد مقامی حکومت نے پارک کو اور بھی چھوٹا کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس نے ۱۲۵۰ ایکڑ رقبے کے اردگرد کے علاقوں پر کام کرنے کی ہدایات کردی اور باقی رقبے کو رہائشی اور انڈسٹریل پلاٹس میں تبدیل کردیا۔ نثار بلوچ اور ان کی کمیونٹی اب مایوس ہوتی جارہی تھی۔ ہائی کورٹ کے 'اسٹے آرڈر' کے باوجود سو سے زائد علاقوں پر قبضہ خوروں کا قبضہ ہوتا گیا۔ اس کے باوجود وہ کیس کی ہرشنوائی میں آتے رہے اور ہفتوں کے گیپ کے بعد وہ شہری۔سی بی ای کے دفتر میں کاغذات کے ساتھ ہمیں اَپ ڈیٹ کرنے آئے۔

اکتوبر ۲۰۰۹ء کے آخر میں وہ میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ وہ اس معاملے کو سلجھانے میں میڈیا کا سہارا لینا چاہتے ہیں۔اس کے علاوہ ریاست کو کروڑوں، اربوں کا نقصان ہو رہا تھا۔ مجھے یقین نہیں تھا کیونکہ ہمارے پاس ذرائع محدود تھے، مگر وہ پُرامید تھا اور اس نے کہا کہ میرے جیسے دوستوں کی مدد کے ساتھ وہ کچھ کرسکتا ہے۔ اس نے ۶ نومبر ۲۰۰۹ء کو پریس کانفرنس کرنے کے لیے کراچی پریس کلب کا انتخاب کیا۔

۱۵ صحافیوں نے ہماری پریس کانفرنس کو ریکارڈ کیا۔ نثار درمیان میں بیٹھے، کیونکہ یہ وہ شخص تھا جو کہ ٹرانس لیاری میں رہتا تھا اور اس کو پارک کی تاریخ کا بھی پتا تھا، میں اس کے دائیں جانب بیٹھا تھا۔ اس نے وہ سب کاغذات نکالے جو لوگ وہاں پارک پر قبضہ کیے بیٹھے تھے، ہائی کورٹ کے اسٹے آرڈر کے علاوہ۔ اس نے ظاہر کیا کہ یہ مجرم سرکاری افسران، لیبر یونین کے لیڈر، چھوٹی انڈسٹری کے مالکان اور دوسرے تھے۔صحافیوں میں بھی وہ کاغذات تقسیم کیے گئے۔ بدقسمتی سے ان لوگوں کے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ پاکستان میں بڑی تعداد میں ہونے والی کرپشن کے چشم دید گواہ تھے اور ان کو معاملات کی اچھی جانکاری تھی۔ کانفرنس کے بعد ہم نے پریس کلب لان میں چائے پی اور میں پانچ بجے شام کو وہاں سے چلا گیا۔ مگر نثار ابھی تک وہاں صحافیوں سے بات کررہے تھے۔

دوسری صبح ۷ نومبر ۲۰۰۹ء کو میں اخبارات پڑھ رہا تھا کہ جب مجھے دفتر سے فون آیا کہ آپ خیریت سے تو ہیں۔'جی ہاں بالکل، مگر بات کیا ہے۔' 'نثار بلوچ کو مار دیا گیا ہے۔' دوسری جانب سے فون کرنے والے نے بتایا۔ مجھے یقین نہیں آرہا تھا۔ کیونکہ چند گھنٹے پہلے تو میں اس کے ہمراہ تھا۔ بعد میں مجھے پتا چلا کہ نثار صبح جلدی اٹھنے والا شخص تھا، جو اس دن بھی جلدی جاگ گیا تھا اور وہ اخبارات خریدنے کے لیے اپنی موٹرسائیکل پر سوار تھا کہ ان کو گولی ماردی گئی۔ دو موٹرسائیکل سوار اس کے قریب آئے اور اس کو چار گولیاں ماریں، جب وہ لیاری پل کراس کررہے تھے۔اس نے اسپتال کی طرف گاڑی چلانے کی کوشش کی مگر تھوڑے فاصلے پر وہ گر گیا۔

اس کے بعد تین ہفتوں کے دوران اِکتالیس مزید لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ وہ قارئین جو تفصیلات سے پڑھنے میں دلچسپی لیتے ہیں وہ ان واقعات کے بارے میں اخبارات میں پڑھ سکتے ہیں۔وہ اخبارات ۸ نومبر ۲۰۰۹ء کے بعد کے ہیں۔ مختصر یہ کہ غیرقانونی قبضے کا کاروبار، ریاست کو بڑا نقصان پہنچا رہا ہے۔ ان لوگوں کو مختلف پارٹیوں کے سیاستدانوں کی پشت پناہی حاصل ہے۔اس مقصد کے لیے جو بھی کام کررہا ہے وہ محفوظ نہیں ہے۔

یہ کہا جاتا ہے کہ جب بھی کوئی آدمی اپنے مقصد کے لیے لڑتا ہے اس کو اسی وجہ سے قتل کردیا جاتا ہے۔کوئی بھی اس عمل کو شایع کرنے کے لیے تیار نہیں، خاص طور پر جب طاقتور لوگ یہ کھیل کھیل رہے ہوں تو، اور وہ اس کی پشت پر چھپے ہوئے ہوں۔ جب ایسے طاقتور غنڈے، جن میں کتنے ہیں، جن کا ریکارڈ کرپشن سے بھرا ہوا ہے، وہ جب مرتے ہیں تو میڈیا ان کے بارے میں ان کی جھوٹی کامیابی کی تفصیلات چلاتا رہتا ہے، مگر نثار بلوچ جیسے لوگ مستقل طور پر بھلا دیئے گئے ہیں۔ اگر یہ عمل جاری رہا تو نثار جیسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوں گے اور پھر ہم میں سے کوئی بھی محفوظ نہیں رہے گا۔ہم سب کو نثار کے مقصد کو آگے بڑھانا ہوگا اور ہم ان کی شہادت کو رائیگاں نہیں جانے دیں گے۔ ایک انگلی کو آسانی سے توڑا جاسکتا ہے، مگر مکے کو نہیں توڑا جاسکتا۔

شہری سرگرمیاں

پاکستان میں خوبصورت اور توانائی سے بھرپور شہری تعمیرات پر سیمینار

شہری رپورٹ

خوبصورت اور توانائی بخش شہروں کی تعمیرات پر ایک ورکشاپ منعقد ہوئی، جس کا اہتمام فریڈرک نومان فاؤنڈیشن اور شہری۔ برائے بہتر ماحول نے ۱۰/اکتوبر سے ۱۱/اکتوبر ۲۰۱۴ء تک ایک مقامی ہوٹل میں کیا۔

اس ورکشاپ کا مقصد توانائی کی قلت، اس کی ضرورت اور اس کے استعمال کو اجاگر کرنا تھا اور اس کے ساتھ متعلقہ اسٹیک ہولڈرز جو ان چیزوں کو بہتر سمجھتے ہیں جو کہ متعلقہ عنوان ہیں جیسے کہ گرین بلڈنگز، خوبصورت فنِ تعمیر وغیرہ جو کہ توانائی بخش شہر کی تعمیرات میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔

شہری۔سی بی ای کی جنرل سیکریٹری مسز امبر علی بھائی نے شرکاء کو خوش آمدید کہتے ہوئے کہا کہ کے ایم سی کی متعارف کردہ قانون سازی جو سڑکوں کی کمرشلائزیشن پالیسی ہے جس کے مطابق ۲۹ سڑکوں کو کمرشلائز کیا گیا ہے اور سندھ ہائی ڈینسٹی ایکٹ ۲۰۱۰ء جس کے مطابق وزیرِ اعلیٰ سندھ نے کلب روڈ پر ایک ۴۲ منزلہ نقشہ پاس کیا ہے، جس کا ہمارے شہر پر مضر اثر پڑے گا۔ انہوں نے شرکاء کی ہمت افزائی کرتے ہوئے کہا کہ وہ زیادہ سے زیادہ درخت لگائیں اور موجودہ درختوں کی حفاظت کریں۔ انہوں نے مزید کہا کہ 'اگر آپ کسی کو درخت کاٹتے ہوئے دیکھیں تو اسے روکنے کی کوشش کریں کیونکہ یہ درخت ہی ہیں جو آپ کے شہر کو ٹھنڈک پہنچاتے ہیں'۔

محمد انور جو کہ فریڈرک نومان فاؤنڈیشن (FNF) کے ایڈمنسٹریٹر ہیں، انہوں نے کہا کہ جرمن وفاقی وزارت برائے اقتصادی تعاون اور ترقی (BMZ) جو کہ فریڈرک نومان فاؤنڈیشن (FNF) کی مدد سے سول سوسائٹی کو مضبوط بنانے میں پاکستان میں کام کر رہی ہے اور پُر امن طریقے سے ان مسائل کو حل کرتی ہے اور جمہوریت پسند پارٹیوں کے ساتھ مل کر آزاد جمہوریت کو آسان بناتی ہے۔ نیز شہریوں کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ اپنی روزی فخر کے ساتھ حاصل کریں۔ فریڈرک نومان فاؤنڈیشن اپنے نمائندوں کی تربیت کر کے ان کو تیار کرتی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ اس قسم کی ورکشاپ جو کہ خوب صورت اور توانائی بخش شہروں کی تعمیر کے لیے منعقد ہوتی ہیں۔ ایسی مزید ورکشاپ دوسرے بڑے شہروں میں بھی سال کے آخر میں منعقد کی جائیں گی، جیسے کہ حیدر آباد، لاہور، کوئٹہ، اسلام آباد اور ملتان وغیرہ۔

فرحان انور جو کہ Sustainable Initiative کے ڈائریکٹر ہیں، ان کا خیال تھا کہ 'جتنے بھی قابلِ تجدید توانائی کے ذرائع ہیں وہ سب کراچی میں موجود ہیں'۔ انہوں نے مزید کہا کہ نیویارک شہر میں صرف ۲۵ فیصد لوگوں کے پاس ذاتی گاڑیاں ہیں، جبکہ شہر میں جدید دنیا کا ٹرانسپورٹ نظام موجود ہے جس میں سڑکیں، ریلوے، سمندر اور ہوائی ٹرانسپورٹ کا شاندار نظام شامل ہے۔

انہوں نے زور دیتے ہوئے کہا کہ حکام کو مختلف حربے استعمال کر کے لوگوں کی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے کہ وہ اپنی کاریں نہ خریدیں، جس میں گاڑیوں پر بھاری رقم کا ٹیکس لگانا، کار پارکنگ کی مد میں لیے جانے والی رقم کو بڑھا دینا وغیرہ اور لوگوں کی ہمت افزائی کرنی چاہیے کہ وہ سائیکل استعمال کریں اور مختصر فاصلے کے لیے پیدل چلنا سیکھیں۔

وی آئی پی۔ ولچر کلچر

دانش آزر زوبی

اس مقالے کا مقصد وی آئی پی اِزم کے علامتی بحران کو سماجی و تاریخی نقطہ نظر سے اجاگر کرنا ہے۔ اب ایک عام رائے یہ ہے کہ وی آئی پی کی چشم نمائی اور اہم شخصیات کے لیے جو اختیارات ہیں اس نے کئی علامتوں کے ایک ساتھ ہونے کی شکل اختیار کر لی ہے، جیسے' بیمار ذہنی حالت اور کوئی بھی بیماری جو کہ کسی کو بھی لگ سکتی ہے، اس سلسلے میں دو بنیادی سوالات ہیں۔ یہ کیا ہے؟ اور وہ ہمیں کیا کرتی ہے؟ اور اس کو قابو کرنے کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ پہلا سوال علامتوں کی جانچ پڑتال کرنے کے حوالے سے ہے، اس لیے ان کی نشانیوں کو دیکھا جائے کہ وہ کیسے نقصانات پہنچاتے ہیں۔ دوسرا سوال بہت اہم ہے کیونکہ تفتیش بہت گہری ہوتی ہے کہ ان کے اسباب کیا ہیں۔ وہ ہم پر کیسے اثرانداز ہو سکتے ہیں اور نتائج کیا ہوں گے۔ اور ان کے بڑے عرصے تک نتائج کیا نکلیں گے۔

اگرچہ وی آئی پی ایک عالمگیر رجحان ہے مگر ہمارے ملک میں یہ ایک عجیب الخلقت ہے جو خودنمائی کے مرض میں مبتلا ہے جس کی جڑیں ہمارے ماضی میں ہیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ وی آئی پی ازم کو مختلف سطح پر ان کی چھوٹی موٹی کرپشن کے ساتھ قبول کر لیا گیا ہے جس کے سنگین نتائج برآمد ہوں گے۔ وی آئی پی ازم ایک مضر بیماری بھی ہے جس میں وی آئی پی خود کو دوسروں پر اہمیت دیتا ہے، جسے لوگ معاشرے پر پڑنے والے اثرات کا تصور کیے بغیر قبول کر لیتے ہیں۔ بدقسمتی سے امیر اور طاقتور طبقے میں وی آئی پی ازم تیزی سے بڑھ رہا ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ آپ خود کو قانون سے بالاتر سمجھیں۔ ایک معمولی بات یہ بھی ہے کہ آپ ٹریفک سگنل کو توڑیں اور اس سے آپ کتنے لوگوں کی زندگیوں کو خطرے میں ڈالتے ہیں اور ایک وی آئی پی کے لیے سگنل کو بند کر کے ٹریفک کو روک دیں اس طرح کرنا ہمارے شعور میں پختہ ہوتا جا رہا ہے۔

عام طور پر ایسے معاملات کے اثرات اوپر سے نیچے تک ہوتے ہیں۔ جونیئر اسٹاف، صاحب کو فخر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ جبکہ ان کو پشیمانی اور ندامت ہونی چاہیے، جب وہ لوگ سگنل توڑتے ہیں، کانوائے میں سفر کرتے ہیں، سڑکیں بند کرتے ہیں، مخصوص سڑکوں کا لطف اٹھاتے ہیں۔

وی آئی پی اپنے محلات کی حفاظت کرواتے ہیں۔ عوامی راستوں کو بند کروا کے ان کو تکالیف پہنچاتے ہیں۔ وہ اپنی حیثیت کو منوانے کے لیے مختلف حربے استعمال کرتے ہیں۔ اپنے اختیارات اور پوزیشن کو غلط استعمال کرتے ہیں۔ فنڈز کھا جاتے ہیں۔ اداروں کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ وی آئی پی کے ڈرائیورز، رشتہ دار، دوست احباب خود کو صاحب سے زیادہ وفادار سمجھتے ہیں۔ وہ ان کو ان جرائم سے بچاتا ہے جو وہ پبلک میں کرتے ہیں۔ وی آئی پی ازم کی عجیب بات یہ ہے کہ وی آئی پی کے ہتھیار بند گارڈز روڈ بلاک کرنے کی وجہ سے کسی کو بھی قتل کر کے اپنا راستہ بناتے ہیں۔

یہ بات ہمیں دوسرے سوال تک لاتی ہے کہ وی آئی پی کلچر ہمارے معاشرے میں کیسے زہر گھولتا ہے۔ مختصر یہ کہ یہ مساوات، ہمدردی اور احساس ختم کر دیتا ہے اور ایک ایسا ماحول پیدا کرتا ہے جس میں ایک مخصوص طبقہ عام لوگوں کے بنیادی حقوق کو

پامال کرنے کے لیے آگے بڑھتا ہے۔ قبول کردہ نظام میں ترمیم یا مداخلت کرنے کو وہ اپنا حق سمجھتے ہیں۔ یہ کلچر لاقانونیت کو ہوا دیتا ہے، کرپشن کو بڑھاتا ہے، کرمنل عناصر کو مزید بہادر بنا دیتا ہے، حکومتی اداروں کو کمزور کردیتا ہے اور انارکی کی طرف دھکیلتا ہے۔ وہ انصاف کے تصور کے بالکل برعکس کھڑے ہوتے ہیں اور نظام کو درہم برہم کردیتے ہیں جو کہ معاشرے کو جرائم، غصے اور غیر سکونیت کی طرف لے جاتے ہیں۔ مزید یہ کہ وہ لوگوں کو انصاف حاصل کرنے کے شعور کو بھول جانے کی طرف لے جاتے ہیں اور جب بھی ان سے کوئی ڈیمانڈ کی جاتی ہے تو ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا کیونکہ ان کی ضروریات جائز اور ناجائز طریقے سے پوری ہو جاتی ہیں۔ بڑے افسروں نے اپنی طاقت کے غلط استعمال کرنے کو روز کا معمول بنایا ہوا ہے۔ ادارے اور نظام تباہ ہو چکے ہیں جن سے ناجائز فائدے حاصل کیے جاتے ہیں۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ہم وہ معاشرہ بن چکے ہیں جس میں کوئی قانون ہی نہیں ہے۔ اس لیے نہیں کہ ہم بے شرم اور کرپٹ ہو گئے ہیں، بلکہ اس لیے کہ ہم کو وی آئی پی لیڈر شپ نے اس کنویں میں دھکیل دیا ہے۔ میں اس وی آئی پی کلچر کو ایک عذاب کہنے کی جرأت کرتا ہوں کیونکہ یہ انسانی معاشرے کی بنیادوں کو گرانے کی کوشش کر رہے ہیں جس کی بنیاد انصاف اور برابری پر محیط ہے۔

جتنی بھی حقیقی اور جعلی جمہوریتیں ہیں اور جتنی بھی بادشاہتیں ہیں، ان سب کو بھروسہ ایک کائناتی اصول پر ہے، وہ ہے 'قانون کی بالادستی' ہم سب کو پتہ ہے کہ ہمارے وی آئی پی کی ملکیت دبئی میں ہے اور وہ وہاں کے قانون کی عزت کرتے ہیں۔ مگر وہی لوگ جب یہاں اپنے ملک پہنچتے ہیں تو وہ سب سے پہلے قانون کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہیں۔ ہمارے پاس ایک وقت میں دو قانون ہیں۔ ایک وی آئی پی لوگوں کے لیے اور ایک عام آدمی کے لیے۔ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ ہم وردی والوں کا حساب نہیں کرتے اور جوڈیشل نظام کی تباہی کا ذمہ دار بھی وی آئی پی کلچر ہی ہے۔

اس مصیبت سے جان چھڑانے کا کوئی آسان راستہ نہیں ہے۔ اس کی کوئی بھی قانون سازی نہیں ہوسکتی ہے۔ اس کے خاتمے کے لیے بڑے شعور کی ضرورت ہے۔ کراچی میں رحمٰن ارجمند کی وجہ سے فلائٹ میں تاخیر پر ایک نئی لہر دوڑ گئی جس نے بہت سارے واقعات کو جنم دیا جس میں وی آئی پیز کے خلاف حقارت کا اظہار کیا گیا۔

وی آئی پی کلچر کو ختم کرنے کے لیے کراچی کے شہریوں نے ایک چارٹر آف ڈیمانڈ پیش کیا ہے جس کا متن ذیل میں دیا گیا ہے:

- سب کے لیے ایک قطار، تمام شہریوں کے لیے برابری کا برتاؤ۔

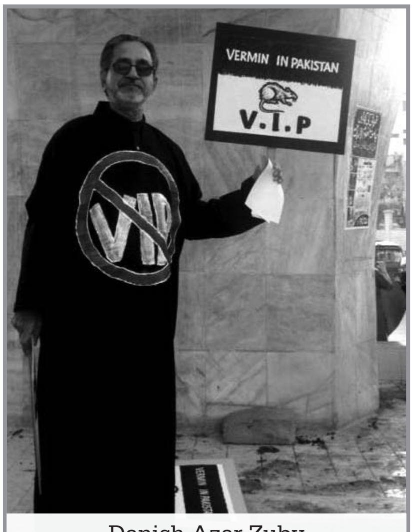

Danish Azar Zuby

- وی آئی پی کلچر کو ختم کریں، پارلیمنٹری کاؤنٹرز کو ختم کیا جائے، ایئرپورٹس پر وی آئی پی لاؤنج، پارکنگ اور پبلک آفس ختم کیے جائیں۔
- وی آئی پی کے لیے بھی وہی حفاظتی انتظام کیے جائیں جو کہ عام آدمی کے لیے کیے جاتے ہیں۔
- جہازوں کو وی آئی پی کے لیے تاخیر کرنے کے بندوبست کو اور کسی بھی دوسری عوامی تکالیف کو جرم قرار دیا جائے۔
- وی آئی پی کو مہیا کیے جانے والے حفاظتی گارڈز اور پولیس موبائل کو ختم کردیا جائے۔
- وی آئی پی رہائش کے قریب سڑکوں پر جتنی بھی رکاوٹیں رکھی گئی ہیں وہ سب ہٹا دی جائیں۔
- ٹریفک قوانین سب کے لیے ہونا چاہئیں جو بھی وی آئی پی اس قانون کو توڑے اس کو سخت سزا دی جائے۔
- وی آئی پی یا کسی بھی عام آدمی کو ہتھیاروں کی نمائش کرنے کو غیر قانونی قرار دے دیا جائے۔
- وی آئی پی کانوائے سے لوگوں کو دھمکانے کو بھی جرم قرار دے دیا جائے۔
- تمام شہری بشمول وی آئی پی اپنی گاڑیوں میں اوریجنل نمبر پلیٹ کے ساتھ سفر کریں۔
- گاڑیوں پر پرچم کی نمائش اور ایم این اے، ایم پی اے، ایچ سی اور ڈی سی جیسی نمبر پلیٹوں پر پابندی عائد کی جائے۔

اب ہم دیکھیں گے کہ حکام اس پر کیا ردِعمل ظاہر کرتے ہیں۔

ہمارے اتحادی پارٹنر کا شفاف اور اطلاع تک رسائی کے لیے نیٹ ورک

آئینِ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آرٹیکل ۱۹۔اے

شہری رپورٹ

تمام سول سوسائٹی تنظیموں کا مقصد اچھی طرزِ حکومت لانا اور شفافیت اور احتساب کے لیے حکومت کے ساتھ کام کرنا ہے۔ معلومات تک رسائی کا قانون اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ایک مضبوط اور طاقتور کردار ادا کرسکتا ہے۔ اس لیے اقوامِ متحدہ نے معلومات تک رسائی کی اہمیت کو تسلیم کرلیا ہے۔ جو کہ اگلے ۳۰ سالوں کے لیے پائیدار ترقی کے مقصد کی خصوصیات میں سے ایک ہے۔

شہری۔سی بی ای نے FOI بنایا ہے جس کا مقصد اچھی حکومت، شفافیت اور قانون کے اندر رہتے ہوئے حق کی تلاش ہے۔ خوش قسمتی سے بلوچستان، خیبر پختونخوا اور پنجاب نے اپنے یہاں مضبوط اثر رکھنے والے قوانین وضع کیے ہیں، جیسے 'KP RTI' ایکٹ اور پنجاب ٹرانسپیرنسی اور RTI ایکٹ۔ حالانکہ وفاقی RTI بل میں بہتری لائی گئی ہے بہ نسبت پچھلے فیڈرل FOI ۲۰۰۲ء آرڈی نینس کے، جو کہ سندھ FOI ۲۰۰۶ کی نقل ہے۔ سندھ گورنمنٹ نے بھی بہت بہتری اور اطلاع تک رسائی کو آسان بنایا ہے بہ نسبت خیبر پختونخوا اور پنجاب کے۔ اس لیے ہم یقین کرتے ہیں کہ ایک بہتر قانون سازی کو عمل میں لانے کے لیے سول سوسائٹی مثبت کردار ادا کرسکتی ہے۔ اس اصولی قانون کی اہم خاصیت یہ ہے کہ حکومتی ادارے اس قانون کو عملی جامہ پہنانے میں اور اس کی معلومات عام کرنے میں ناکام ہو چکے ہیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جتنی بھی سول سوسائٹی کی تنظیمیں ہیں (CSOs) ان کو مل جل کر ایک اتحاد بنانے والے پلیٹ فارم پر اکٹھا ہونا پڑے گا اور اپنی اجتماعی کوشش اور طاقت کو اکٹھا کرکے ایک نئے قانون کی ڈیمانڈ اجاگر کرنی ہوگی۔

اس اتحاد کو 'کولیشن فار ٹرانسپیرنسی اینڈ ایکسس ٹو انفارمیشن' کہا جائے گا۔ مگر یہ شراکت داری دیگر اداروں کی منظوری سے مشروط ہوگی اور اس کی حکمتِ عملی دو طرفہ ہوگی۔

الف: شعور کو اجاگر کرنا، FOI گذارشات کو فائل کرتے ہوئے موجودہ قانون کے تحت اس قانون کو استعمال کرنا، تاکہ حکومتی اداروں پر دباؤ ڈالا جاسکے اور وہ قانون کی جانب اپنی ذمہ داری کو محسوس کرسکیں۔

ب: اجتماعی وسائل کو اتحاد کرنے پر استعمال کیا جائے اور قانون بنانے والوں کے ساتھ رابطے میں رہا جائے تاکہ معلومات تک رسائی کے نئے قانون کو عملی شکل دی جاسکے۔

ان گذارشات کے جواب میں مندرجہ ذیل سول سوسائٹی کی تنظیمیں اس بات پر راضی ہوگئی ہیں کہ وہ اس اتحاد 'کولیشن فار ٹرانسپیرنسی اینڈ ایکسس ٹو انفارمیشن' کا حصہ بن جائیں گی۔

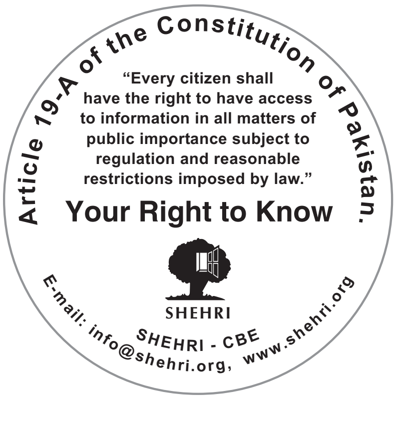

SHEHRI-CBE CAMPAIGN 2014

۱۔اربن ریسورس سینٹر، ۲۔دی ہیلپ لائن ٹرسٹ، ۳۔اسکوپ، ۴۔پائلر، ۵۔ایس پی او، ۶۔عورت فاؤنڈیشن، ۷۔شرکت گاہ، ۸۔بانہہ بیلی، ۹۔حصار فاؤنڈیشن، ۱۰۔بولوبھی، ۱۱۔وار اگینسٹ ریپ (وار)، ۱۲۔ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل پاکستان، ۱۳۔سوشل پولیس اینڈ ڈیولپمنٹ سینٹر (ایس پی ڈی سی)، ۱۴۔سسٹین ایبل انیشیٹو، ۱۵۔پاکستان پریس فاؤنڈیشن (پی پی ایف)، ۱۶۔انڈس ارتھ ٹرسٹ، ۱۷۔سائبان ایکشن ریسرچ فار شیلٹر، ۱۸۔شہری۔سی بی ای، ۱۹۔ناؤ کمیونٹیز، ۲۰۔سافکو (حیدرآباد)، ۲۱۔سندھ کمیونٹی فاؤنڈیشن (حیدرآباد)، ۲۲۔ڈسٹرکٹ ہندو پنچایت کمیٹی (حیدرآباد)۔

اس سیشن کا اہم مقصد ایک دوسرے کا تعارف کروانا، آگے بڑھنے کے لیے حکمتِ عملی وضع کرنا اور FOI درخواستوں کی تحریروں کی شروعات تھا۔ پہلا سیشن تعارف پر محیط تھا، دوسرا سیشن FOI قانون اور اس کے استعمال کے بارے میں پریزنٹیشن دینا تھا اور آخر میں تیسرے سیشن میں ہر کسی کو FOI کی درخواست پر اپنے تجربات لکھنے تھے۔

SHEHRI-CBE CAMPAIGN 2014

YOUR RIGHT TO KNOW

YES! YOU TOO CAN GET ANSWERS TO THESE AND OTHER SUCH QUESTIONS

ARTICLE 19-A OF THE CONSTITUTION OF THE ISLAMIC REPUBLIC OF PAKISTAN GIVES YOU THIS RIGHT.

"Every citizen shall have the right to have access to information in all matter of public importance subject to regulation and reasonable restrictions imposed by law".

"Write to know"
Five steps for obtaining information / records.

Step 1 Applicant determines the information / record that is required. The request should be in a question form.

Step 2 Identify the correct public body which must be approached for obtaining the required information.

Step 3 Applicant fills the Application Form and attaches a copy of National Identity Card.

Step 4 Applicant deposits a Challan of Rs. 50/= (Rupees Fifty) in any branch of National Bank of Pakistan.

Step 5 Applicant submits the application (along with Challan and CNIC) to the concerned Public Body.

A/c No. - 1391221

SHEHRI - CITIZENS FOR A BETTER ENVIRONMENT
88-R, Block-2, P.E.C.H.S., Karachi-75400, Pakistan. Tel : 021-34530646, 34382298, Fax : 021-34530646
E-mail : info@shehri.org Web site : www.shehri.org, facebook.com/shehri.citizens, twitter.com/shehricbe

OPEN SOCIETY INSTITUTE

Financial support for the printing of flyer provided by Open Society Institute

اتحادی ممبران سے کہا گیا کہ وہ کم از کم اپنے دو ممبران ورکشاپ میں بھیجیں ان میں سے ایک، جو بعد میں اپنی تنظیموں کے لیے فوکل پرسن کا کردار ادا کریں گے اور اضافی FOI درخواستیں لکھیں گے۔ شرکت کرنے والوں سے بھی گذارش کی گئی کہ وہ بھی کم از کم ایک سوال کی تیاری کر کے آئیں جس میں سنجیدگی سے FOI کے تحت پوچھنے پر غور کریں۔ تاکہ وہ FOI کی گذارش کی بنیاد بن سکیں۔

شہری۔سی بی ای کا FOI ہیلپ ڈیسک ان کو FOI گذارش لکھنے میں مدد فراہم کرے گا۔ اس بات کی تسلی کرلیں کہ درخواست پوسٹ ہوگئی ہے اور درخواست کی ٹائم لائن کے حساب سے اس کو فالو کریں۔ اگر ضرورت پڑی تو ہیلپ ڈیسک ان کی اپیل پروسیس میں بھی مدد کرے گا۔

مزید یہ کہ تنظیموں کے پارٹنر سے شہری ہیلپ ڈیسک پر رابطہ کر سکتے ہیں تاکہ وہ پروسیس کو آگے بڑھا سکیں۔

اس ورکشاپ نے نہ صرف سیکھنے میں مدد دی بلکہ FOI کی گذارشات کو تحریر کرنے اور اس کی پیروی کرنے میں بھی مدد فراہم کی۔

بابت

شہری-سی بی ای، جس نے بہتر ماحول کے لیے کراچی کی بنیاد پر رضا کارانہ طور پر 1988ء میں متعلقہ شہریوں کا ایک گروپ تشکیل دیا تھا تاکہ وہ ماحول کی خرابی سے متعلق اپنی رائے پیش کر سکیں۔

شہری نے حقیقی ماحول سے متعلق امور کو اپنایا ہے۔ قانونی تعمیرات اور زوننگ کی خلاف ورزیوں کے معاملات کو خصوصی طور پر اٹھایا گیا ہے اس کے علاوہ ان سے متعلق علامات جیسا کہ آلودگی، ٹریفک جام، نکاسی، تجاوزات، پارکنگ کی عدم دستیابی، اوور لوڈ یوٹیلیٹیز اور انفراسٹرکچر ہے۔ شہری ان قانونی باڈیز اور سرکاری ایجنسیوں کی دیکھ بھال کر رہی ہے اور سول سوسائٹی بھی اس سلسلے میں حوصلہ افزائی کرتی ہے۔

کامیابیاں

کلفٹن روڈ کے چوڑے روڈ پر گلاس ٹاورز کے غیر قانونی تجاوزات کا انہدام، اس کارروائی نے روڈ کو تجاوزات سے محفوظ کیا ہے۔

☆ منگھوپیر روڈ 1480 ایکڑ پر مشتمل گٹر باغیچہ پارک کو محفوظ کیا۔ یہ کم آمدنی والے علاقے میں ایک بڑی تفریح گاہ کا ایریا تقریباً ایک ملین رہائشیوں پر مشتمل ہے اور یہ لیاری کے قلب میں ہے۔

☆ کراچی کو آپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی یونین میں 162 ایکڑ پر مشتمل کڈنی ہل پارک کو محفوظ کیا بشمول 118 ایکڑ پر مشتمل کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ کی تنصیبات۔

☆ اوورسیز کمیٹی برائے کے بی سی اے اور عوامی معلومات کا مرکز قائم کیا۔

☆ کراچی اور سندھ میں تجارتی بنیاد پر گیارہ کے ٹی سی اور پندرہ ایس آر ٹی سی بس ڈپو کے پلاٹس کو فروخت کیا۔ اس وقت یہ پلاٹ سی ڈی جی کے کے استعمال میں ہیں جو کہ بس ٹرمینلز اور دیگر متعلقہ ٹرانسپورٹ کی سرگرمی کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے اس کے علاوہ پبلک روڈز سے غیر قانونی بس ٹرمینلز ختم کیے۔

☆ لائنز ایریا کراچی میں ویب گراؤنڈ پلے فیلڈ (میٹرو) کو محفوظ کیا۔

☆ باغ ابن قاسم کلفٹن میں Costa livina اپارٹمنٹ کے اسٹرکچر کو منہدم کیا۔ اس کارروائی نے اسی طرح کے غیر قانونی الاٹمنٹ کو بھی روک دیا، اور اب سی ڈی جی کے نے یہاں پر پارک تعمیر کیا۔

☆ لاہور میں ڈونگی گراؤنڈ پارک/ پلے فیلڈ کو کمرشل ہونے سے روکا۔

☆ لاہور بچاؤ تحریک کے حصہ کے طور پر کنال بینک کا وسیع و عریض پروجیکٹ کے خسارے کو پورا کیا۔

☆ کوئٹہ میں سسمک بلڈنگ کوڈ کی دوبارہ تصدیق کی۔

☆ پورے پاکستان کی بنیاد پر 1238 پولیس آفیسرز کی ٹریننگ، پولیس کی شرکت، انسانی حقوق کی خلاف ورزی اور پولیس کی اصلاح کے بارے میں تربیت دی۔

کئی سالوں سے اعلیٰ عدالتیں شہری کی مہارت کی تصدیق کر رہی ہیں۔ اور اسے Amicus Curiae (عدالت کا دوست) کے طور پر ماحولیات کی خلاف ورزی کے کیسز میں طلب کیا گیا۔

مقاصد

☆ آگاہی اور موثر سول سوسائٹی، بہترین گورننس، شفافیت اور قانون کی حکمرانی کو قائم کیا۔

☆ عوامی پالیسیز کے زیر اثر تحقیق، دستاویزات اور ڈائیلاگ کو ترویج دی۔

☆ ایک موثر اور نمائندہ لوکل گورنمنٹ سسٹم یعنی تعمیر اور تربیت کا سیٹ اپ کیا۔

☆ کراچی شہر کے لیے نمائندہ ماسٹر پلان/ زوننگ پلان تیار کیا اور موثر طور پر عملدرآمد کروایا۔

☆ سوسائٹی میں بنیادی انسانی حقوق کو ترویج دی۔

شہری کس طرح چل رہا ہے

ایک رضا کارانہ انتظامی کمیٹی جسے ایک ٹیم نے دو سال کے لیے جنرل باڈی کے ذریعے منتخب کیا ان کا تمام عمل جمہوری اصولوں پر ہے۔ ممبر شپ ہر خاص و عام کے لیے کھلی ہیں، جو کہ اغراض و مقاصد کے مطابق ہے۔

شہری کے لیے رضا کاروں کی ضرورت ہے

شہری کے مختلف منصوبے ذیل میں درج چھ ذیلی کمیٹیوں کی وساطت سے چلائے جاتے ہیں۔

- آلودگی کے خلاف
- میڈیا اور بیرونی روابط (نیوز لیٹر)
- قانونی (غیر قانونی عمارتیں)
- تحفظ ورثہ (پرانی عمارتیں)
- پارکس اور تفریح
- مالی حصول۔